June
2026

ماہنامہ

پیام عرفات

رائے بریلی

طلبہ و فضلائے مدارس کی ذمہ داریاں

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

”آپ کا ایک سرا نبوت محمدیؐ سے ملا ہوا ہے، دوسرا سرا زندگی سے، یہی آپ کے کام کی نزاکت کی وجہ اور آپ کی عظمت کی دلیل ہے، نبوت محمدیؐ سے وابستگی اور اتصال جہاں ایک بہت بڑی خوش نصیبی اور سرفرازی ہے، وہاں ایک عظیم ذمہ داری بھی ہے، آپ کے پاس حقائق اور عقائد کی سب سے بڑی دولت اور سب سے عظیم سرمایہ ہے، اس وابستگی سے آپ پر چند ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں، آپ میں غیر متزلزل یقین اور راسخ ایمان ہونا چاہیے، آپ میں یہ حوصلہ وہمت ہونی چاہیے کہ ساری دنیا ملتی ہو تو اس کے ایک نقطہ سے بھی دست بردار ہونے کے سوال پر غور نہ کرسکیں، آپ کے دلوں میں اس کی حمایت ونصرت کا جذبہ موجزن ہونا چاہیے، آپ کا دل اس بے بدل دولت پر فخر اور شکر سے لبریز ہو۔“ (پا جا سراغ زندگی: ۹۲)

مرکز الإمام أبی الحسن الندوي
دار عرفات، تکیہ کلاں، رائے بریلی

...بے چشمہ حیواں ہے یہ ظلمات

حضرت مولانا سید محمد الحسنی علیہ الرحمۃ

’’اس میں شبہ نہیں کہ آج پورا انسانی معاشرہ یورپ کے اُس سرچشمہ حیات سے بے زار و مایوس ہے اور اکتا چکا جس کا تیل خشک ہو چکا، جس کی مدتِ حیات پوری ہوگئی، جس کا زمانہ گزر گیا اور جس کے سوتے کا پانی تھم چکا۔ واقعہ یہ ہے کہ یورپ کا یہ سرچشمہ اپنی ہنگامہ خیز اور حیرت انگیز تہذیبی وسائنسی ترقی کے باوجود توپ وتفنگ، گولہ وبارود، تباہ کن بموں، زہریلی گیسوں اور ہلاکت آفریں آلات ووسائل کے علاوہ انسانیت کو کچھ نہ دے سکا، اس پر طرفہ تماشہ یہ کہ اسی کے ساتھ ایک ایسا ضمیر بھی پروان چڑھا جو جرم سے مانوس، سرکشی وبغاوت کا خوگر اور گناہ وبے حیائی کے کاموں کی طرف شدید میلان اور حد درجہ رغبت رکھنے والا ہے، یہ یورپ کا پروردہ وہ ضمیر ہے جس کے نزدیک ذاتی منافع سے بڑھ کر کوئی حقیقت نہیں، وہ مستقبل کے مقابلہ میں فوری فائدہ کو ترجیح دیتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ تہذیب وثقافت اور وہ فنون لطیفہ جس کی داستان ہم اس طرح پڑھتے ہیں جیسے وہ کوئی جنت ارضی ہو، یا Sir Thomas More کی خیالی دنیا(UTOPIA) کی دل فریب حکایت، جہاں آزادی، اخوت، دوستی، امانت ودیانت، ایفائے عہد اور روزمرہ زندگی کی پاکیزگی وشرافت کے حسین نقشے دکھائے جاتے ہیں، حقیقت میں اہل مغرب کے یہ سب بلندو بانگ دعوے اعلیٰ اخلاقی مقاصد یا انسانی ہمدردی کا نتیجہ نہیں بلکہ محض ’’مفاد پرستی‘‘ کے اصول کے تابع ہیں۔

کسی مردِ دانا نے خوب کہا ہے کہ یورپین فرد اگر روزہ بھی رکھتا ہے تو اس لیے نہیں کہ اس کی روح میں بالیدگی پیدا ہو اور اس کے باطن میں نور وصفا کی کرنیں پھوٹیں بلکہ اس میں بھی یہ مقصد ہوتا ہے کہ اس کی خواہشاتِ نفس اور زیادہ تیز ہو اور اس کے کھانے پینے کی لذت میں اضافہ ہو۔ اسی طرح وہ اپنی قوم کے افراد کی تعلیم وتربیت کا بندوبست کرتا ہے، انہیں مہذب اور باخبر بناتا ہے لیکن اس غرض سے نہیں کہ وہ انسانیت کے لیے ایک نمونہ اور دنیا کے لیے رہبر وپیشوا بنیں بلکہ اس میں بھی یہ نیت کارفرما ہوتی ہے کہ وہ آگے چل کر کس طرح دنیا کی دوسری قوموں اور جماعتوں کو اپنا غلام بنائیں گے، کس طرح انسانی حقوق کو نگل سکیں گے، کس طرح دوسرے مذاہب کے مقدسات کو پامال کرسکیں گے اور دنیا کی منڈیوں پر اپنا قبضہ جمانے کے زیادہ اہل ہوسکیں گے؟! خلاصہ یہ کہ روئے زمین پر اپنی بالادستی اور فساد مچانے کے سوا ان کی کوئی دوسری غرض وغایت نہیں ہے۔

آپ غور کیجیے کہ ایک مغربی شخص اگر کسی آدمی سے ملاقات کا وقت طے کرلے تو وہ اپنے وعدہ میں اس درجہ پابند ہوتا ہے کہ ایک لمحہ کی بھی تاخیر اسے گوارا نہیں ہوتی، لیکن وہی شخص فلسطین اور ان مشرقی ممالک میں جہاں سے اس کے خون اور رنگ ونسل کا کوئی تعلق نہیں، کھلے بندوں بے شرمی کے ساتھ جھوٹ بولتا ہے اور انسانیت کے ساتھ دھوکہ دہی اور فریب کاری سے کام لیتا ہے۔ اسی طرح اپنے وطن میں وہ ایک Penny (پائی) کی چوری سے بھی باز رہتا ہے لیکن مشرق میں وہی انسان ایک غاصب اور لٹیرا بن کر دندناتا پھرتا ہے، یہاں تک کہ وہ اپنے مقاصد کی تکمیل کے لیے ذلت وپستی کی ہر حد سے گذر جاتا ہے۔ حاصل یہ کہ مغربی تہذیب آج سربازار رسوا ہو چکی ہے اور اس کے عیوب ومفاسد روز روشن کی طرح عیاں ہوگئے ہیں، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ پوری دنیا کے حالات نے عالم اسلام کو ہاتھ پکڑ کر ایک نازک دوراہے اور ایک سنگین امتحان کی شاہ راہ پر لا کھڑا کیا ہے۔‘‘

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اردو اور ہندی میں شائع ہونے والا

ماہنامہ

پیامِ عرفات

رائے بریلی

مرکز الامام أبی الحسن الندوی دار عرفات تکیہ کلاں رائے بریلی (یوپی)

جلد: ۱۸ — جون ۲۰۲۶ء - ذی الحجہ ۱۴۴۷ھ — شمارہ: ۶

علم نافع کی تلقین

مجلس ادارت

بلال عبدالحی حسنی ندوی

مفتی راشد حسین ندوی

عبدالسبحان ناخدا ندوی

محمد حسن ندوی

معاون ادارت

محمد مکی حسنی ندوی

محمد امین حسنی ندوی

محمد ارمغان بدایونی ندوی

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:

"سَلُوا اللَّهَ عِلْماً نَافِعاً وَتَعَوَّذُوا بِاللَّهِ مِنْ عِلْمٍ لَا يَنْفَعُ."

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

(اللہ سے علم نافع کی دعا کیا کرو اور اللہ کی پناہ مانگا کرو ایسے علم سے جو نفع بخش نہ ہو۔)

(سنن ابن ماجة: ۳۹۷۵)

پرنٹر پبلشر محمد حسن ندوی نے ایس، اے، آفسٹ پرنٹرس، مسجد کے پیچھے، پھاٹک عبداللہ خاں، سبزی منڈی، اسٹیشن روڈ، رائے بریلی سے طبع کرا کر دفتر "پیام عرفات" مرکز الامام أبی الحسن الندوي، دارِ عرفات، تکیہ کلاں رائے بریلی سے شائع کیا۔

www.abulhasanalinadwi.org

فی شمارہ: Rs.15/- | E-Mail: markazulimam@gmail.com | سالانہ زرتعاون: Rs.150/-

Markazul Imam Abil Hasan Al-Nadwi Samiti (Punjab National Bank) A/c No. 6127002100000339 (IFSC: PUNB0612700)

فہرس

علم نافع کی اہمیت اور ضرورت (اداریہ)........................۳
....بلال عبدالحی حسنی ندوی
حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ.............................۴
....مولانا جعفر مسعود حسنی ندویؒ
تقویٰ کیا ہے؟..۶
....بلال عبدالحی حسنی ندوی
عدت کے احکام...۸
....مفتی راشد حسین ندوی
اسرائیل کی مجرمانہ سازشیں.....................................۱۰
....محمد مکی حسنی ندوی
الحادکا طوفان، اسباب اور علاج...................................۱۲
....محمد نجم الدین ندوی
نجاتِ دنیوی واخروی کا راز......................................۱۵
....محمد امین حسنی ندوی
مردِ مؤمن–دربار قیصر میں.......................................۱۷
....محمد مصعب ندوی
آسان دین، مشکل زندگی...۱۹
....محمد ارمغان بدایونی ندوی

حسن سراپا

مولانا محمد ثانی حسنی رحمۃ اللہ علیہ

عاشق ہوں دل وجان سے رسول عربی کا
مکی مدنی ہاشمی مطلبی کا
اے پاک نبی! تیری نظر نور سحر ہے
کافور ہوا جس سے فسوں تیرہ شبی کا
آنکھوں میں سبھی کے ہے تیرا حسن سراپا
ہے ذکر زبانوں پہ تری خوش لقبی کا
دنیا میں ترے نام کا شہرہ ہے ہر اک سمت
ہر ایک ہے شاہد تری عالی نسبی کا
ہر ذرہ تری خاک کف پا کا گھر ہے
آقا ہے تو ہی ہر عجمی کا عربی کا
کرتا ہوں تری ذات پہ میں جان کو قرباں
ہے تجھ پہ فدا دل مری امی وابی کا
مل جائے مجھے کوثر وتسنیم کا ساغر
ساقی سے تقاضا ہے مری تشنہ لبی کا
ہے تو ہی طبیب دل بیمار وہراساں
آیا ہوں لیے شوق میں درماں طلبی کا
ملتا ہے ترے در پہ بلال حبشی کو
کیا کام ترے در پہ کسی بولہبی کا
گستاخ زباں، جو بھی ہو خاموش رہے وہ
ہو ناس تری شان میں ہر بے ادبی کا
مسکن ہے ترا پاک سے پاکیزہ مدینہ
کیا کہنا ہے اس شہر کی شیریں رطبی کا
جس شہر کا ہر غنچہ وگل رشک چمن ہے
ہے درجہ بلند اس کے زن ومرد وصبی کا

بلال عبدالحی حسنی ندوی

علم نافع کی اہمیت اور ضرورت

اس وقت تعلیم کی بڑی نزاکتیں ہیں، چاہے وہ کسی بھی حیثیت سے ہوں، ہمارے مدارس میں ہوں، یا اسکولز و کالجز اور یونیورسٹیوں میں ہوں، تعلیم کا مسئلہ اس وقت ہم سب کے لیے ایک لمحہ فکریہ ہے، آپ سب جانتے ہیں کہ سماج تعلیم سے ہی بنتا ہے، اگر تعلیم کا رخ صحیح ہے تو سماج صحیح رخ پر چلتا ہے اور اگر تعلیم کا رخ صحیح نہیں ہے تو پھر سماج بجائے انسانوں کے جانور پیدا کرتا ہے۔ حضرت مولانا علی میاں ندویؒ یہ بات فرماتے تھے کہ آج کی تعلیم کے نتیجہ میں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یونیورسٹیوں سے انسانوں کے بجائے جانوروں کے ریوڑ تیار ہو رہے ہیں۔ موجودہ صورت حال میں یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ آج جہالت پڑھ لکھ گئی ہے، ایک زمانہ جاہلیت کا تھا جس میں انسان بالکل درندوں کی طرح تھا، اس کی تفصیل میں جانے کا یہ موقع نہیں، لیکن اللہ کے نبی ﷺ کی بعثت کے بعد دنیا میں ایک بہار آگئی، مسلمانوں نے علم کو ایک نیا رخ دیا اور اس کی سرپرستی کی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دنیا میں علم کی ایک بہار نظر آنے لگی اور ہر حیثیت سے علمی ترقی ہوئی، اس سلسلہ میں مسلمانوں کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ انہوں نے کبھی بھی علم میں تفریق نہیں کی اور انہوں نے ہر حیثیت سے علم نافع کو آگے بڑھانے کی کوشش کی، جس کے نتیجہ میں یہ دنیا گویا جنت بن گئی، لیکن جب دنیا میں علم کے اندر تفریق کا اصول اختیار کرلیا گیا اور مسلمانوں میں ایک انتشار برپا ہوا تو اس کے نتیجہ میں پوری دنیا کے حالات بدلنے لگے، اس میں سب سے بڑا مسئلہ یہ پیش آیا کہ علم کا جو رابطہ اسم رب اور اسلام کے اخلاقی نظام کے ساتھ تھا، وہ ایسا کٹا کہ اس کے بعد جو علم آیا، اس نے انسانوں کو جانور اور خودغرض بنادیا، آج دنیا میں جو علم سکھایا جاتا ہے، وہ علم خالص معاشی فائدے کے لیے سکھایا جاتا ہے، اب اس کا تصور تقریباً ختم ہوگیا کہ دنیا کو فائدہ پہنچانے کے لیے کوئی علم حاصل کیا جائے، آدمی صرف اپنے مفاد کے لیے علم حاصل کرتا ہے، حالانکہ یہ علم حقیقت میں دنیا کو صحیح رخ دینے کے لیے ہے، اس کے ذریعہ ان فوائد کو حاصل کرنا چاہیے جو اس دنیا اور انسانیت کی ضرورت ہیں، پھر سب سے بڑھ کر آخرت کی کامیابی کا راستہ بھی ہمیں اسی علم سے حاصل ہوتا ہے۔

علم کی غلط تقسیم اس وقت کا سب سے بڑا مسئلہ ہے اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج انسان انسان کا دشمن ہے، قومیں قوموں کی دشمن ہیں اور ملک ملک کے دشمن ہیں، آج آپ کو کہیں بھی انسانیت نظر نہیں آئے گی، آپ اس ملک کو لے لیجیے جس کو کہا جاتا تھا کہ یہ پیار و محبت کا ملک ہے، آج یہاں کی حالت یہ ہے کہ یہاں خودغرضی اس حد تک بڑھ چکی ہے کہ لاشوں پر سیاست ہوتی ہے، کتنی ہی جانیں چلی جائیں مگر ہمارا فائدہ ہونا چاہیے۔

ان حالات میں ہمارے مدارس اسلامیہ، ہمارے علماء اور دین کا کام کرنے والوں کی ذمہ داری ہے، وہ یہ طے کریں کہ علم کو نافعیت کے ساتھ جوڑنا ہے، خواہ وہ نافعیت دنیا کی ہو، لیکن خودغرضی نہ ہو، ایسا نہ ہو کہ ہمیں صرف اپنا فائدہ نظر آئے، ہمیں صرف یہ نظر آئے کہ ہماری تنخواہ کہاں زیادہ ہوگی؟ ہمیں پیسہ کہاں زیادہ ملے گا؟ ظاہر ہے یہ علم کا راستہ نہیں ہے، یہ جہالت کا راستہ ہے، علم کا راستہ جب ہوگا جب ہم یہ دیکھیں کہ دوسروں کو فائدہ کیسے ہوگا، ہم وہ بہتر چیزیں بھی ایجاد کریں جو لوگوں کے نفع کی ہوں، آج یورپ نے اپنے انکشافات سے دنیا کو فائدہ بھی پہنچایا اور ہزار خرابیوں کے باوجود آج یورپ کی جو بالادستی ہے - میں صاف کہتا ہوں کہ - اس میں بڑا حصہ نافعیت کا ہے، اس علم کے اندر اس نے جو نافعیت پیدا کی، اس سے دنیا فائدہ اٹھا رہی ہے، اللہ نے دنیا کے لیے انہیں باقی رکھا ہے، اگر ان کے اندر یہ نافعیت نہ ہوتی تو ان کا نام و نشان مٹا دیا جاتا، ان کے اندر جو ظلم و ستم ہے اور جو ہزار خرابیاں ہیں وہ ایسی تھیں کہ ان کا نام و نشان تک باقی نہ رہتا، لیکن نافعیت ایک ایسا جوہر ہے کہ آج بھی وہ باقی ہیں۔ آج ضرورت اسی بات کی ہے کہ ہم بھی اپنے اندر یہ نافعیت پیدا کریں اور انسانیت کے کام آئیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ

حضرت مولانا سید جعفر مسعود حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت یوسف علیہ السلام عزیز مصر کے گھر پہنچتے ہیں، دھیرے دھیرے عمر بڑھ رہی ہے، نوجوانی کے مرحلے میں آئے تو دوسری آزمائش آ پہنچی، صبر کا ایک دوسرا امتحان شروع ہوا۔ وہاں مصر کی ملکہ حضرت یوسف کے حسن سے اتنی متاثر ہوئی کہ اس نے ان کو بہکانے پھسلانے کی ساری تدبیریں اختیار کر لی، حضرت یوسف کے لیے بڑا اچھا موقع تھا، اگر اس وقت ملکہ کی بات مان لیتے تو ان کو سب کچھ مل جاتا۔ یہ کتنا سخت امتحان تھا، ہم اور آپ اس کا اندازہ نہیں لگا سکتے۔

ہم کو ذرا سی دولت ملتی ہے تو بہک جاتے ہیں، عہدہ ملتا تو بہک جاتے ہیں، منصب ملتا ہے تو بہک جاتے ہیں، کرسی ملتی ہے تو بہک جاتے ہیں، عزت ملتی ہے تو بہک جاتے ہیں، شہرت ملتی ہے تو بہک جاتے ہیں، ایک چھوٹے سے علاقے میں اقتدار ملتا ہے، کہیں کارپوریٹر بن جاتے ہیں، ایم ایل اے بن جاتے ہیں، ایم پی بن جاتے ہیں تو ہمارے قدم ڈگمگانے لگتے ہیں۔ یہاں حضرت یوسف کو وہ ساری چیزیں مل سکتی تھیں جن کے پیچھے انسان بھاگتا ہے، ان کو دولت بھی مل سکتی تھی، عزت بھی مل سکتی تھی، شہرت بھی مل سکتی تھی، اقتدار بھی مل سکتا تھا، وہ سیاہ وسفید کے مالک بھی ہو سکتے تھے، بس! صرف ایک عورت کو خوش کرنے کی ضرورت تھی اور وہ عورت کوئی نوکرانی نہیں ہے، کوئی عام عورت نہیں ہے، کوئی گھر کی خادمہ نہیں ہے، کوئی بوڑھی نہیں ہے، کوئی بدشکل یا بدصورت نہیں ہے بلکہ وہ بھی اپنی جگہ حسن کی دیوی ہے، ساتھ ساتھ اقتدار بھی اس کے ہاتھ میں ہے، جتنا چاہے وہ نواز دے، جو چاہے وہ دے دے، جتنی چاہے دولت کی بارش کر دے، جس عہدے پر چاہے ان کو بٹھا دے، جس شہرت کے مقام پر پہنچانا چاہے وہ ان کو پہنچا دے، اس سے بہتر ترقی کا کوئی راستہ ہو سکتا تھا؟! اس سے بہتر کامیابی کی کوئی راہ ہو سکتی تھی؟ قرآن کریم کہہ رہا ہے: ﴿وَرَاوَدَتْهُ الَّتِي هُوَ فِي بَيْتِهَا عَن نَّفْسِهِ﴾

حضرت یوسف علیہ السلام کسی اور کے گھر میں نہیں ہیں، وہ عورت ان کے گھر نہیں آئی ہے، قرآن کریم کہہ رہا ہے کہ

﴿وَرَاوَدَتْهُ الَّتِي هُوَ فِي بَيْتِهَا عَن نَّفْسِهِ﴾

اس عورت نے ان کو بہلانا چاہا، پھسلانا چاہا، کس کو؟ جو خود اس عورت کے گھر میں تھا یعنی اس کے گھر میں کرایہ کے طور پر رہ رہا ہے، اگر وہ ناراض ہو جائے گی تو گھر سے نکال دے گی، اگر وہ ناراض ہو جائے گی تو مصر سے باہر کر دے گی، اگر وہ ناراض ہو جائے گی تو اس کنوئیں میں دوبارہ ڈلوا دے گی، اگر وہ ناراض ہو جائے گی تو ان کی گردان کٹوا دے گی، اس کی ناراضگی کتنی خطرناک ہو سکتی ہے؟ اس کی خوشی میں کتنی کامیابی مل سکتی ہے؟ دونوں چیزیں تھیں لیکن حضرت یوسف نے کیا جواب دیا؟ جب اس عورت نے جو خوبصورت بھی ہے، اقتدار کی مالک بھی ہے، اسی کے محل میں وہ پناہ بھی لیے ہوئے ہیں، اس عورت کے کچھ بہلانے، پھسلانے اور لالچ دینے پر ان کا جواب سنیے: ﴿قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ﴾ کہا: اللہ کی پناہ!

یہ امتحان کتنا سخت ہے! خاص طور پر ہمارے نوجوانوں کے لیے قابل عبرت ہے لیکن اس امتحان میں حضرت یوسف کیا نمونہ پیش کر رہے ہیں؟ کہتے ہیں: معاذ اللہ! پھر اگلی بات ارشاد فرماتے ہیں:

﴿قَالَ رَبِّ السِّجْنُ أَحَبُّ إِلَيَّ مِمَّا يَدْعُونَنِي إِلَيْهِ﴾

اے میرے پروردگار! جیل میں جانا مجھے گوارا ہے، مجھے جیل میں جانا پسند ہے، میں جیل جانے کو ترجیح دوں گا، اس بات پر جس بات پر یہ عورت مجھے آمادہ کر رہی ہے۔

مزید غور کرنے کی بات یہ ہے کہ اگر ہم اور آپ اس طرح کے امتحانات میں پورے اترتے بھی ہیں تو بہت گھمنڈ پیدا ہو جاتا ہے،

دل میں بڑا تکبر پیدا ہو جاتا ہے، اس کو اپنی کامیابی سمجھنے لگتے ہیں، اس کو اپنے اندر کا تقویٰ قرار دینے لگتے ہیں، پھر اکڑ کر یہ کہتے ہیں کہ کون مجھے بہکا سکتا ہے؟ کون مجھے ورغلا سکتا ہے؟ کون میرے قدم ڈگمگا سکتا ہے؟ کون ہے جو مجھ سے غلط کام کروا سکتا ہے؟ لیکن یوسف تو چوں کہ نبی تھے تو انہوں نے کہا: ﴿وَإِلَّا تَصْرِفْ عَنِّي كَيْدَهُنَّ أَصْبُ إِلَيْهِنَّ وَأَكُن مِّنَ الْجَاهِلِينَ﴾ اے میرے پروردگار! اگر آپ نے مجھے نہیں بچایا تو میں نہیں بچ پاؤں گا، میرے قدم اس کی طرف اٹھ جائیں گے، میرے ہاتھ اس کی طرف اٹھ جائیں گے، میں غلطی میں مبتلا ہو سکتا ہوں، گناہ میں مبتلا ہو سکتا ہوں۔

اس واقعہ سے یہ چیز بھی سیکھنے کی ہے کہ اس طرح کے موقع پر اگر ہمیں کوئی کامیابی ملے تو اس کو ہمیں اپنے سر نہیں باندھنا چاہیے، جیسے حضرت یوسف یہاں کامیابی ملنے کے موقع پر بھی یہ کہیں رہے ہیں کہ اللہ تو بچا، ہم میں اتنی طاقت نہیں ہے، ہم میں اتنی قوت نہیں ہے، ہم میں اتنی ہمت نہیں ہے، ہمارے اندر اتنا حوصلہ نہیں ہے کہ ہم خود سے بچ سکیں، اگر تیری مدد نہ ہوئی، تو نے ساتھ نہیں دیا، تو نے تعاون نہیں کیا، تو نے نہیں بچایا، تو میں نہیں بچ پاؤں گا۔

اس پورے معاملے کو آپ سامنے رکھیے، اس پورے قصے کو دیکھئے کہ کامیابی کے مرحلے، کامیابی کی منزلیں کب شروع ہوتی ہیں اور آخر میں کیا ہوتا ہے؟ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَكَذَٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوسُفَ فِي الْأَرْضِ﴾

ہم نے یوسف کو اقتدار دیا، اقتدار یوں ہی نہیں ملتا، مشکلات سے نجات یوں ہی نہیں ملتی، قوت، شان وشوکت، رعب ودبدبہ یوں ہی حاصل نہیں ہوتا، اس کے لیے بڑے سخت مراحل سے گزرنا پڑتا ہے۔

ان میں سب سے پہلا مرحلہ تقویٰ کا ہے، حضرت عمر بن عبدالعزیز نے جب اپنی فوج کے سپہ سالار کو خط لکھا تو اس میں انہوں نے اپنے سپہ سالار غالب بن منصور کو ایک نصیحت کی۔ وہ نصیحت کیا تھی؟ وہ تقویٰ کی نصیحت تھی، حضرت عمر بن عبدالعزیز نے کہا کہ دشمن کی فوج سے ڈرنے کے بجائے تمہیں پہلے گناہوں سے ڈرنا ہوگا۔ اس کے بعد کہا کہ تمہیں تقویٰ کی زندگی اختیار کرنی ہوگی۔

ہم سمجھتے ہیں کہ تقویٰ کا مطلب یہ ہے کہ ہر وقت مسجد میں بیٹھے رہیں، تسبیح پڑھتے رہیں، یہی ہمارے نزدیک تقویٰ ہے، یہی ہمارے نزدیک دین داری ہے لیکن انہوں نے تقویٰ کی تعریف کرتے ہوئے کہا کہ "أفضل العدة وأبلغ المكيدة وأقوىٰ القوة"

ہم اگر یہ تین باتیں سمجھ لیں تو ہمارے سارے مسائل حل ہو جائیں گے۔ پہلی بات یہ ہے کہ جب کوئی بھی جنگ ہوتی ہے، کوئی بھی لڑائی ہوتی ہے تو اس میں تین چیزیں کامیابی کی ضمانت ہیں:

جنگی ساز و سامان: قرآن کریم میں اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ جنگی ساز و سامان اختیار کرو، حاصل کرو، اس کی تیاری کرو۔ جنگ جیتنے کے لیے جس جنگی سامان کی ضرورت پڑتی ہے اگر اس میں کمی ہے تو وہ کمی بھی تقویٰ پوری کرتا ہے۔

جنگی حکمت عملی: دوسری بات یہ ہے کہ جنگ جیتنے کے لیے جنگی حکمت عملی اور جنگی تدبیر ضروری ہے۔ اگر آپ کے پاس ہتھیار بھی ہیں، پورا ساز وسامان بھی ہے لیکن اگر آپ کی حکمت عملی غلط ہے، آپ کی تدبیر صحیح نہیں ہے تو صرف ہتھیاروں کی بدولت آپ کوئی جنگ نہیں جیت سکتے۔ تو تقویٰ میں یہ دوسری چیز بھی پائی جاتی ہے کہ حکمت عملی کا جو نتیجہ نکلتا ہے وہ تقویٰ سے نکلتا ہے۔

جسمانی قوت: تیسری بات یہ ہے کہ آپ کے پاس ہتھیار بھی ہیں، حکمت عملی بھی ہے لیکن تعداد نہیں ہے، لڑنے والا کمزور ہے، بندوق اٹھانا تک مشکل ہے، گولی چلانا اور فائر کرنا بعد کی بات ہے، اس کی انگلی ہی نہیں چل رہی تو کیا وہ فائر کرے گا؟ کیا بندوق چلائے گا؟ تو اس کے لیے کہا کہ "وأقوىٰ القوة" یعنی جسمانی قوت کا جو نتیجہ نکلتا ہے وہ بھی تقویٰ سے حاصل ہو جاتا ہے۔ تو پہلی چیز تقویٰ ہے، یعنی تقویٰ میں ساز وسامان بھی آ گیا، حکمت عملی بھی آ گئی، جسمانی قوت بھی آ گئی۔ جب یہ تقویٰ پیدا ہوگا تب کامیابی ہمارے قدم چومے گی لیکن آج صورت حال یہ ہے کہ ہم دعویٰ تو دین داری کا کرتے ہیں اور ایمان کا دعویٰ تو کرتے ہیں لیکن حقیقت میں ہمارے اندر تقویٰ نہیں ہے۔

تقویٰ کیا ہے؟

بلال عبدالحی حسنی ندوی

ظاہر پرستی کا دور:

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ’’جسم میں ایک مضغۂ گوشت ہے، اگر وہ ٹھیک ہوجائے تو پورا جسم ٹھیک ہوجاتا ہے اور اگر وہ بگڑ جائے تو پورا جسم بگڑ جاتا ہے اور وہ دل ہے۔‘‘

افسوس کی بات ہے کہ آج دنیا میں بس صرف ظاہر پرستی چل رہی ہے جس کو ملمع سازی کہتے ہیں، آدمی ظاہر کو دیکھتا ہے، یہاں تک کہ عالم یہ ہے کہ مدرسہ وہ اچھا جس کی عمارتیں اچھی اور ادارہ وہ اچھا جس میں زیادہ ٹیپ ٹاپ ہو اور زیادہ منظّم کام نظر آتا ہو، بعض مرتبہ اندر سے کام بہت اچھا ہوتا ہے، لیکن آدمی کے پاس وسائل نہیں ہوتے بلکہ وہ کام میں لگا ہوتا ہے تو اس کی طرف لوگ متوجہ نہیں ہوتے۔ پہلے اللہ والوں کا حال یہ ہوتا تھا کہ وہ کسی جگہ بیٹھ گئے تو ان کے پاس لوگ آتے تھے اور ان کی صحبت میں رہ کر لوگوں کی زندگیاں بدل جاتی تھیں، پھر جب مجمع زیادہ ہونے لگتا تو وہ وہاں سے چلے جاتے، اس لیے کہ ان کو زیادہ مجمع پسند نہیں ہوتا تھا، ان کو اپنا نام اور شہرت کمانا پسند نہ تھا، لیکن آج عالم یہ ہے کہ خانقاہیں باقاعدہ بنائی جاتی ہیں، جب کہ اگر اللہ کا ایک بندہ کہیں جھونپڑے میں بیٹھ جاتا ہے تو اللہ اس سے کام لیتا ہے اور اس کا فیض عام ہوتا ہے، اس دور میں ملمع سازی اور دکھاوے کا جو مزاج بنا ہے، یہ دنیا کے عمومی مزاج کا نتیجہ ہے۔

ذکر کی تعلیم:

آج کل فیکٹریوں کی مصنوعات کے اشتہارات بڑے خوبصورت طریقے سے بنائے جاتے ہیں، اوپر سے پیکنگ حسین وجمیل ہوتی ہے، لیکن اندر کا مال انتہائی معمولی ہوتا ہے، اس وقت دنیا کا جو مزاج بنا ہوا ہے یہ خالص غیر اسلامی مزاج ہے، اسلام کا اس سے کوئی تعلق نہیں، اسلام یہ کہتا ہے کہ دل پر اصل محنت کرو، دل کو بناؤ، اخلاص پیدا کرو، اللہ سے تعلق مضبوط کرو، اللہ سے سچی محبت پیدا کرو اور یہ محبت ذکر الٰہی سے پیدا ہوگی، قرآن مجید میں دسیوں جگہ یہ بات کہی گئی کہ اللہ کا کثرت سے ذکر کرو:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا اللَّهَ ذِكْراً كَثِيراً☆وَسَبِّحُوهُ بُكْرَةً وَأَصِيلاً﴾(الأحزاب: ٤١-٤٢) (اے ایمان والو! اللہ کا خوب ذکر کرو اور صبح وشام اس کی پاکی بیان کرو۔)

ایک دوسری جگہ ارشاد ہے: ﴿وَمَن يَعْشُ عَن ذِكْرِ الرَّحْمَنِ نُقَيِّضْ لَهُ شَيْطَاناً فَهُوَ لَهُ قَرِينٌ﴾(الزخرف: ٣٦) (اور جو کوئی رحمٰن کے ذکر سے اندھا بن جاتا ہے تو ہم اس پر ایک شیطان مسلط کردیتے ہیں پھر وہ اس کا دوست ہوجاتا ہے۔)

جب آدمی اللہ کے ذکر سے غافل ہوجاتا ہے تو شیطان اس کو بہکانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑتا اور جب آدمی کثرت سے ذکر کرتا ہے تو پھر شیطان کی راہ کھوٹی ہوتی ہے اور ایسے لوگوں پر شیطان کا بس نہیں چلتا، دل کو دل بنانے کے لیے ذکر الٰہی شرط ہے۔

اہل اللہ کے یہاں ذکر کے بعض طریقے بھی بتائے جاتے ہیں، ان میں سب طریقوں کی باضابطہ اصل نہیں ہے، تاہم ان کی حیثیت حکماء کے مجرب نسخوں سے کم نہیں اور وہ طریقے فائدے سے خالی نہیں مثلاً: کلمہ لا الہ الا اللہ کے ذکر میں جسم کے خاص اور حساس مواضع پر ضرب لگائی جاتی ہے تو اس کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ پورے جسم پر اس کا اثر پڑتا ہے، اللہ کا نام جسم میں گھر کر جاتا ہے اور ایسا ہوجاتا ہے کہ لگتا ہے روئیں روئیں سے اللہ کا نام نکل رہا ہے، آدمی کے اندر جب دھیان پیدا ہوجائے، آدمی کا دل جب ذاکر ہوجائے، آدمی کی زبان پر جب ہر وقت ذکر جاری ہوجائے، روئیں روئیں سے جب اللہ کا نام نکلنے لگے تو ظاہر ہے ایسے شخص کے لیے گناہ کا کرنا کیا آسان ہوگا؟ جب آدمی کو ایسا استحضار پیدا ہوگیا کہ اللہ ہمارے سامنے ہے، اللہ ہمیں دیکھ رہا ہے تو ایسے شخص کے لیے گناہ کرنا کوئی آسان نہیں اور موت کے وقت یہ چیز سب سے بڑھ کر کام آجاتی ہے،

جب زبان بند ہوجاتی ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ کا نام دل سے نکلتا ہے۔ اللہ کے بندوں کے بعض ایسے واقعات بھی ہیں کہ جب ان کی زبان بند ہوگئی تو اللہ نے ان کا دل ایسا جاری کردیا کہ دل سے "اللہ اللہ" کی آواز آنے لگی اور وہ اسی حال میں دنیا سے رخصت ہوگئے۔ ذکر کی کثرت کا ایک بڑا فائدہ یہ ہے کہ دل پر اس کا اثر پڑتا ہے اور دل ذاکر ہوتا ہے، صفائی اور تزکیہ قلب کے لیے اس کی بڑی ضرورت ہے۔

انبیاء علیہم السلام کو اللہ نے اس دنیا میں اسی لیے بھیجا کہ وہ تلاوتِ آیات کریں اور تزکیہ نفوس کا کام کریں، پھر تعلیم کتاب وحکمت کا فریضہ انجام دیں، افسوس کی بات یہ بھی ہے کہ ہمارے یہاں اس کی ترتیب بدلی ہوئی ہے، آج تلاوت آیات پہلے مرحلے پر ہے، بچوں کو قرآن مجید پڑھایا جاتا ہے، ان کو قرآن مجید کی آیات سکھائی جاتی ہیں، اس کے بعد دوسرا مرحلہ ان کی تربیت کا تھا کہ ان کے اخلاق سنوارے جاتے، ان کے دل کو پاک بنایا جاتا تاکہ اس کے بعد وہ جو علم حاصل کرتے تو وہ علم صاف ستھرا ہوتا، ورنہ آج ہمارے اس گندے برتن میں جب علم داخل ہوتا ہے تو وہ بھی گندا ہوجاتا ہے اور اس کے نتیجہ میں آدمی کے اندر ہزار خرابیاں پیدا ہوجاتی ہیں، وہ علامہ بن جاتا ہے، وہ بہت علوم حاصل کرلیتا ہے لیکن سچی بات یہ ہے کہ اگر دل کا صحیح تزکیہ نہیں ہوا تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس علم سے بجائے فائدہ کے لوگوں کو نقصان پہنچتا ہے اور اس کے نتیجہ میں بڑائی کا احساس پیدا ہوجاتا ہے، تکبر پیدا ہوجاتا ہے اور نہ جانے کیا کیا برائیاں پیدا ہوجاتی ہیں۔

قرآن کریم کی ترتیب یہ ہے کہ تلاوت آیات کے بعد دوسرا مرحلہ تزکیہ نفوس کا ہے، دلوں کو برائیوں سے پاک کیا جائے، گندگیوں سے پاک کیا جائے، یہ علم بڑا حساس اور نازک ہے، اس کی مثال دودھ کی ہے، اگر برتن میں آپ دودھ لیتے ہیں اور اس میں کوئی چیز پڑی ہوئی ہے تو دودھ پھٹ جائے گا، برتن صاف ستھرا ہونا چاہیے، اسی طرح دل کا جو برتن ہے اور ہمارے دماغوں کا جو برتن ہے، اگر یہ صاف ستھرا نہیں ہے تو ایسے علماء پیدا ہوں گے جو امت کا بیڑا غرق کردیں گے، ان کا حال یہ ہوگا کہ وہ صرف اپنے نام کے لیے بات کریں گے، یا ان کی طرف سے ایسی آراء آئیں گی جو اللہ کے رسول ﷺ کی لائی ہوئی شریعت اور آپ ﷺ کے دیئے ہوئے نظام سے بعض مرتبہ ٹکراتی ہوئی ہوں گی، ان کے اندر دین کا صحیح فہم نہیں ہوگا، اس وقت یہ جو سوشل میڈیا کا زمانہ ہے، اس نے ایسی تباہی پھیلائی ہے، اس میں ایسے ایسے لوگ اپنی آراء پیش کرتے ہیں جو دین سے کوئی واقفیت نہیں رکھتے اور نہ ہی علم کی گہرائی رکھتے ہیں، ان کی طرف سے بہت سی ایسی چیزیں جاری ہوتی ہیں جن کو پڑھ کر سیدھے سادھے لوگ گمراہی میں مبتلا ہوتے ہیں۔

ہمیں اپنے دل کو بنانے کی ضرورت ہے، اپنا تزکیہ کرنے کی ضرورت ہے، آدابِ علم اسی تزکیہ کے بعد حاصل ہوتے ہیں، اگر آدمی تزکیہ نہ کرے تو یہ بھی نہیں آتے، تزکیہ کا تعلق دل سے ہے۔ اسی طرح اخلاق کا تعلق کمالات باطنی سے ہے اور سارے کمالات باطنی کا تعلق دل سے ہے، چاہے وہ تقویٰ ہو، اخلاق ہوں، یا توکل ہو، یا اسی طرح جتنی بھی دوسری صفات باطنی ہیں، ان کا تعلق دل سے ہے، جب دل پر محنت ہوگی تو یہ ساری صفات انشاء اللہ آہستہ آہستہ پیدا ہوں گی، علم کے اندر روشنی پیدا ہوگی، پھر ہمارے جو بڑے اللہ والے، بڑے علماء، بڑے مشائخ اور بڑے ائمہ پیدا ہوئے اور اللہ نے ان کے فیض کو عام کیا، حضرات علماء سے بھی اسی طرح فیض جاری ہوگا، تزکیہ نفوس یا تزکیہ قلوب کی ضرورت ہر ایک کی ہے، چاہے وہ عام لوگ ہوں یا خاص لوگ ہوں، وہ علماء ہوں یا دانشور ہوں، یہ سب کی ذمہ داری ہے، اگر ہمارے اخلاق نہ بن سکے اور ہمارے اندر اگر اخلاص نہ پیدا ہوسکا اور ہمارے اندر مال وجاہ کی ہوس رہی اور دیمک کی طرح اندر ہی اندر یہ بیماریاں ہمیں چاٹتی گئیں تو ہمارے دین کے سب کاموں میں خطرہ ہے کہ اللہ کے یہاں بھی مقبول نہ ہوں اور ان کے جو اثرات دنیا میں ظاہر ہونا چاہیے وہ بھی نہ ہوں۔

عدت کے احکام

مفتی راشد حسین ندوی

بیماری کی وجہ سے جس عورت کو مسلسل خون آرہا ہو اس کی عدت:

اگر کسی عورت کو مسلسل خون آرہا ہو اور اس کو اپنے حیض کے ایام یاد ہوں تو اگر اس کو عدت طلاق گزارنی ہے تو وہ صحت مند عورتوں کی طرح تین حیض سے عدت گذارے گی اور اگر حیض کے ایام یاد نہ ہوں، متحیرہ ہو تو اس کی عدت کل سات مہینے سے پوری ہوگی، اس میں ہر حیض کے لیے دس دن فرض کیے گئے ہیں اور ہر طہر دو ماہ کا مانا گیا ہے۔(شامی:۳/۵۰۹)

عدت شروع کرنے کے بعد جس کا حیض بند ہو جائے:

جو عورت حائضہ تھی اور طلاق کے بعد اس نے حیض کے ذریعہ عدت گزارنی شروع کردی، پھر اس کا حیض مستقل طور سے بند ہو گیا تو احناف کے اصل مسئلہ کے مطابق اس کو سن ایاس تک انتظار کرنا ہوگا، اس کے بعد تین مہینے عدت گذارنی ہوگی، لیکن امام مالک کے یہاں اس مسئلہ میں حکم یہ ہے کہ ایک سال میں اس کی عدت مکمل ہو جائے گی، ضرورتاً اس مسئلہ میں امام مالک کا قول اختیار کیا گیا ہے۔

(شامی:۳/۵۰۸)

امام مالک کے قول کی تائید حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس اثر سے بھی ہو رہی ہے جس کو مؤطا میں نقل کیا گیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”جس عورت کو طلاق دی گئی اور اسے ایک دو حیض آئے، پھر حیض آنا بند ہو گیا تو وہ ۹ رمہینے تک انتظار کرے، اگر اس کو حمل ظاہر ہو جائے تو ٹھیک ہے ورنہ پھر نو مہینوں کے بعد تین مہینے کی عدت گزارے گی، پھر اس کی عدت پوری ہو جائے گی۔“

(مؤطا، کتاب الطلاق، جامع عدة الطلاق: ۱۷۰۳)

وطی بالشبہ کی عدت:

اگر کسی عورت سے شبہ میں وطی کر لی مثلاً: ایک ساتھ کئی عورتوں کی کئی مردوں سے شادی ہوئی اور رخصتی کرتے وقت غلطی سے کسی دوسرے کی بیوی بھیج دی وغیرہ تو ایسی صورت میں غلطی کا علم ہونے پر عدت گزارنا لازم ہے، اس کے بغیر وہ اپنے شوہر سے صحبت نہیں کر سکتی (اگر اس وطی سے حمل ٹھہر جائے تو اس کا باپ وطی کرنے والا ہوگا۔)

(شامی:۳/۵۰۶)

اگر کسی وجہ سے نکاح فاسد تھا لیکن وطی ہوگئی تو اس میں بھی عدت لازم ہوگی۔(حوالہ بالا)

جب طلاق رجعی کے بعد عدت ہی میں شوہر کا انتقال ہو جائے:

اگر کسی عورت کو شوہر نے طلاق رجعی دی، خواہ ایک طلاق رجعی رہی ہو یا دو دی ہوں اور عدت پوری ہونے سے پہلے ہی شوہر کا انتقال ہو جائے تو طلاق خواہ شوہر نے بیماری کی حالت میں دی ہو یا صحت کی حالت میں تو اب اس کی گزاری ہوئی عدت باطل ہو جائے گی اور اسے عدت وفات گزارنی ہوگی، اس لیے کہ جس عورت کو طلاق رجعی دی جائے عدت کے دوران اسے بیوی مانا جاتا ہے اور وراثت میں باقاعدہ اسے بیوی کی حیثیت سے حصہ ملتا ہے، ہاں اگر تینوں حیض گزرنے کے بعد شوہر کا انتقال ہوا تو چونکہ اب اس کا نکاح ختم ہو چکا ہے، لہٰذا نہ تو اس کو وراثت میں حصہ ملے گا، نہ ہی اسے عدت وفات گزارنی ہوگی۔(شامی:۳/۵۱۳، ہندیہ:۱/۵۳۱)

جب طلاق بائن کے بعد عدت کے دوران شوہر کا انتقال ہو جائے:

اگر شوہر نے صحت کی حالت میں بیوی کو طلاق بائن یا طلاق

مغلظہ دی پھر دورانِ عدت ہی شوہر کا انتقال ہوگیا تو اس کی عدت میں کوئی تبدیلی نہیں ہوگی، وہ طلاق والی عدت مکمل کرے گی۔

اسی طرح اگر شوہر نے بیماری کی حالت میں طلاق بائن یا طلاق مغلظہ (یعنی تین طلاقیں) بیوی کی رضامندی سے یا اس کے مطالبہ پر دی تو دورانِ عدت شوہر کا انتقال ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا اور وہ طلاق والی عدت مکمل کرے گی اور ان دونوں صورتوں میں بیوی شوہر کی وارث بھی نہیں ہوگی۔

اور اگر بیماری کی حالت میں شوہر نے طلاق بائن یا مغلظہ دی اور دورانِ عدت ہی شوہر کا انتقال ہوگیا تو عدت طلاق اور عدت وفات میں سے جو زیادہ لمبی ہو وہی اس کو پوری کرنی ہوگی یعنی اگر تین حیض مکمل ہوجائیں لیکن چار مہینے دس دن مکمل نہ ہوئے ہوں تو چار مہینے دس دن مکمل کرے گی اور اگر چار مہینے دس دن ہوجائیں لیکن تین حیض مکمل نہ ہوئے ہوں تو تین حیض مکمل کرے۔

(ہندیہ:۱/۵۳۱، ہدایہ مع الفتح:۴/۳۱۵، شامی:۳/۵۱۳)

عدت کی پابندیاں:

عدت کے دوران عورت پر کئی پابندیاں شریعت نے عائد کی ہیں مثلاً: حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

"لا تحد امرأة علىٰ ميت فوق ثلاث إلا علىٰ زوج أربعة أشهر وعشراً."(مسلم، كتاب الطلاق، باب وجوب الإحداد فى عدة الوفاة: ۹۳۸، البخارى، كتاب الطلاق، باب تلبس الحادة ثياب العصب: ٥٣٤٢-٥٣٤٣)

(حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کوئی عورت کسی بھی میت پر تین دن سے زیادہ سوگ نہیں کرے گی سوائے چار مہینے دس دن تک شوہر پر سوگ کرنے کے اور وہ رنگا ہوا کپڑا نہیں پہنے گی سوائے یمنی چادر کے اور سرمہ نہیں لگائے گی اور نہ ہی عطر استعمال کرے گی۔)

اسی طرح حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: جس عورت کے شوہر کی وفات ہوگئی ہو وہ نہ تو عصفر (زرد رنگ) یا گیرو سے رنگا ہوا کپڑا پہنے گی، نہ ہی زیورات پہنے گی، نہ خضاب لگائے گی، نہ ہی سرمہ لگائے گی۔(أبو داؤد، كتاب الطلاق، باب فيما تجتنب المعتدة فى عدتها: ٢٣٠٤)

اسی طرح کی متعدد احادیث کی وجہ سے فقہاء نے عدت وفات اسی طرح طلاق بائن کی عدت گزارنے والی عورت پر سوگ کرنے کو واجب اور لازم قرار دیا ہے، لیکن جس عورت کو طلاق رجعی دی گئی ہو اس پر سوگ واجب نہیں ہے، اس لیے کہ وہ ایک طرح سے ابھی نکاح ہی میں ہے، اسی طرح پاگل، نابالغ یا غیر مسلم عورت پر (مثلاً: کسی نے یہودی یا عیسائی عورت سے شادی کرلی ہو) بھی سوگ کرنا واجب نہیں ہے۔(ہندیہ:۱/۵۳۳-۵۳۴)

اور سوگ میں مندرجہ ذیل چیزیں داخل ہیں:

۱-وہ کسی بھی طور پر کوئی ایسی چیز اختیار نہ کرے جس کا تعلق زیب وزینت سے ہو مثلاً: میک اپ نہ کرے، زیورات نہ پہنے، ہر طرح کے زیورات انگوٹھی نتھ اور چوڑی وغیرہ نکال دے، البتہ چوڑی کو صرف نکالنے کا حکم ہے، شرعاً توڑنا ضروری نہیں ہے، خضاب اور سرمہ کاجل نہ لگائے، نئے رنگین کپڑے نہ پہنے، پرانے رنگین کپڑے جن سے زیب وزینت نہیں ہوتی پہن سکتی ہے۔

(ہندیہ:۱/۵۳۳، شامی:۳/۵۳۱-۵۳۲)

۲-سرمہ میں تیل نہ لگائے، البتہ اگر تیل لگانے کی عادت تھی جس کی وجہ سے تیل نہ لگانے سے سر میں درد شروع ہوگیا تو تیل لگاسکتی ہے، بالوں کو سنوارنے کے لیے باریک دندانے کی کنگھی استعمال کرنا بھی منع ہے، البتہ بال الجھ گئے ہوں تو موٹے دندانے کی کنگھی سے بال درست کرسکتی ہے۔(شامی:۳/۵۳۱-۵۳۲)

(بقیہ صفحہ۱۴ پر)

اسرائیل کی مجرمانہ سازشیں

سید محمد مکی حسنی ندوی

مشرقِ وسطیٰ گزشتہ کئی دہائیوں سے سیاسی کشمکش، جنگوں، بیرونی مداخلتوں اور طاقت کی رسہ کشی کا مرکز بنا ہوا ہے۔ اس خطے میں Iran اور Israel کے درمیان دشمنی ایک اہم اور خطرناک مسئلہ ہے۔ دونوں ممالک کے تعلقات ابتدا میں اتنے کشیدہ نہیں تھے لیکن ۱۹۷۹ء کے ایرانی انقلاب کے بعد حالات نے نیا رخ اختیار کیا۔ ایران نے اسرائیل کو ایک غاصب ریاست قرار دیا جبکہ اسرائیل نے ایران کے بڑھتے ہوئے اثر ورسوخ اور ایٹمی پروگرام کو اپنے لیے خطرہ سمجھا۔ اس کشمکش نے وقت کے ساتھ خفیہ جنگ، جاسوسی، سائبر حملوں، معاشی پابندیوں، پراکسی جنگوں (Proxy Wars) اور براہِ راست فوجی حملوں کی شکل اختیار کرلی۔

۱۹۴۸ء میں اسرائیل نے اپنے قیام کے بعد مشرقِ وسطیٰ میں مسلسل تنازعات پیدا کر دیے۔ ایران کے شاہ کے دور میں دونوں ممالک کے تعلقات نسبتاً بہتر تھے، مگر اسلامی انقلاب کے بعد ایران نے فلسطینی کاز کی حمایت اور اسرائیل کی مخالفت کو اپنی پالیسی کا حصہ بنالیا۔ اسرائیل نے اس کے جواب میں ایران کو خطے میں اپنے لیے سب سے بڑا خطرہ قرار دیا۔

اسرائیل طویل عرصے سے ایران کے ایٹمی پروگرام کو روکنے کی کوشش کرتا رہا ہے۔ اسرائیل کا دعویٰ ہے کہ ایران ایٹمی ہتھیار بنانا چاہتا ہے، جبکہ ایران مسلسل یہ موقف اختیار کرتا ہے کہ اس کا پروگرام پرامن مقاصد کے لیے ہے۔ ایران نے متعدد بار الزام لگایا کہ اس کے ایٹمی سائنس دانوں کے قتل میں اسرائیلی خفیہ ایجنسی موساد ملوث ہے۔ کئی سائنس دان پراسرار بم دھماکوں اور فائرنگ کے واقعات میں مارے گئے۔ ایران کے مطابق ان کارروائیوں کا مقصد اس کے سائنسی اور دفاعی نظام کو کمزور کرنا تھا، اب یہ کوئی نئی بات نہیں تھی، کیونکہ جن ملکوں نے اسرائیل کی حمایت کے بغیر ایٹمی طاقت بننے کی کوشش کی، ان کو ایسی خفیہ سازشوں کا سامنا کرنا پڑا، ایسا ہندوستان کے مشہور ایٹمی سائنس داں ڈاکٹر ہومی جہانگیر بھابھا کے ساتھ پیش آیا جن کو ۱۹۶۶ء کو ایک ہوائی جہاز حادثہ میں ختم کیا گیا اور پھر ۲۰۰۹ء سے ۲۰۱۳ء کے درمیان ہندوستان کے متعدد سائنس داں مارے گئے جن کی موت خفیہ رہ گئی۔ یہ اقدامات بین الاقوامی قوانین اور انسانی حقوق کے اصولوں کے خلاف تصور کیے جاتے ہیں کیونکہ کسی ملک کے سائنس دانوں کو خفیہ طور پر قتل کرنا ریاستی دہشت گردی کے زمرے میں شمار کیا جاسکتا ہے۔

ایران اور اسرائیل کے درمیان جنگ صرف میدان جنگ تک محدود نہیں رہی بلکہ سائبر دنیا میں بھی شدید کشمکش جاری رہی مثلاً دنیا کے مشہور ترین سائبر حملوں میں ''اسٹکس نیٹ'' وائرس (Stuxnet) کا نام نمایاں ہے۔ یہ وائرس ایران کی ایٹمی تنصیبات کو نقصان پہنچانے کے لیے استعمال کیا گیا۔ مختلف بین الاقوامی تجزیہ نگاروں نے اس کارروائی کے پیچھے اسرائیل اور امریکہ کے اشتراک کا ذکر کیا۔ اس حملے کے ذریعے صنعتی نظام کو نشانہ بنایا گیا اور ایران کے سینٹری فیوجز متاثر ہوئے۔ ناقدین کے مطابق یہ ایک خطرناک مثال تھی جس نے عالمی سطح پر سائبر جنگ کے دروازے کھول دیے۔

اسرائیل نے ایران کے بڑھتے ہوئے علاقائی اثر کو روکنے کے لیے شام اور لبنان میں متعدد حملے کیے۔ اسرائیل کا موقف یہ رہا کہ ایران شام میں اپنے فوجی اڈے قائم کر رہا ہے اور Hezbollah کو جدید ہتھیار فراہم کر رہا ہے۔ شام میں کئی مرتبہ اسرائیلی فضائی حملوں ہوتے چلے آرہے ہیں جن میں فوجی تنصیبات، اسلحہ ڈپو اور اکثر اوقات رہائشی علاقے متاثر ہوتے ہیں۔ انسانی حقوق کے ادارے ان حملوں سے شہری ہلاکتوں پر تشویش ظاہر کرتے آئے ہیں۔ اسرائیل شام کی بدامنی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ایران کے اثر کو کمزور کرتا آیا ہے۔ ایران مسلسل فلسطینی عوام کی حمایت کرتا آیا ہے

جبکہ اسرائیل اسے اپنی سلامتی کے لیے خطرہ سمجھتا ہے۔ ایران کی حمایت یافتہ تنظیموں پر اسرائیل بار ہا حملے کرتا رہا ہے۔

غزہ پٹی میں اسرائیلی فوجی کارروائیوں کے دوران ہزاروں شہری جان بحق ہوئے۔ عالمی سطح پر متعدد اداروں نے ان حملوں میں انسانی حقوق کی خلاف ورزی بتاتے ہوئے اسرائیلی وزیر اعظم کے خلاف عالمی کریمنل کورٹ نے وارنٹ بھی جاری کیا۔ بعض مبصرین کے مطابق اسرائیل ایران کی فلسطینی مزاحمتی گروہوں کی حمایت کو جواز بنا کر غزہ میں سخت فوجی کارروائیاں کرتا ہے جس سے عام شہری سب سے زیادہ متاثر ہوتے ہیں۔

اسرائیل نے ہمیشہ عالمی طاقتوں خصوصاً امریکہ پر زور دیا کہ ایران پر سخت پابندیاں عائد کی جائیں۔ ایران کے خلاف معاشی پابندیوں نے وہاں کی معیشت اور عام شہریوں کو شدید متاثر کیا۔

اسرائیل اپنی سفارتی طاقت اور لابنگ کے ذریعے امریکہ کو ایران کے خلاف سخت اقدامات پر آمادہ کرتا ہے جس میں ایران کے خلاف پابندیوں میں شدت پیدا کرنا، جب جوہری معاہدے ہونے لگتے ہیں تو عین موقع پر امریکہ علیحدگی کر لیتا ہے اور پھر فوجی دباؤ تو اس وقت جگ ظاہر ہے۔

موساد دنیا کی طاقتور خفیہ ایجنسیوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ ایران متعدد بار یہ دعویٰ کرتا رہا ہے کہ موساد اس کے اندر تخریب کاری جاسوسی اور بدامنی پھیلانے میں ملوث ہے۔ ایران کے جوہری دستاویزات کی چوری اور حساس تنصیبات سے معلومات غائب ہو جانے کے واقعات عالمی میڈیا میں موضوع بنے۔ اسرائیل نے بعض مواقع پر دعویٰ کیا کہ اس نے ایران کے خفیہ پروگرام سے متعلق اہم معلومات حاصل کیں۔ ایران کے مطابق یہ اقدامات اس کی خود مختاری کے خلاف کھلی جارحیت ہیں۔

ایران اور اسرائیل کے درمیان میڈیا جنگ بھی شدت اختیار کر چکی ہے۔ اسرائیل عالمی میڈیا میں ایران کو ایک خطرناک ریاست کے طور پر پیش کرنے کی کوشش کرتا ہے جبکہ ایران اسرائیل کو مظلوم فلسطینیوں پر ظلم کرنے والی ریاست قرار دیتا ہے۔ اسرائیل ایران کے خطرے کو بڑھا چڑھا کر پیش کر کے عالمی حمایت حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اس کے ذریعے اسلحہ کی خریداری بڑھائی جاتی رہی ہے، فوجی اتحاد قائم کیے جاتے رہے ہیں اور عرب ممالک کے ساتھ تعلقات مضبوط کیے جاتے رہے ہیں۔

اقوام متحدہ کئی مرتبہ مشرقِ وسطیٰ میں امن کی اپیل کرتا رہا، لیکن بڑی طاقتوں کی سیاسی مصلحتوں کے باعث مستقل حل سامنے نہ آسکا۔ عالمی ادارے طاقتور ممالک کے خلاف مؤثر کارروائی کرنے میں ناکام رہے ہیں، اگرچہ ان بڑے ممالک کے عوام کی اکثریت اپنے حکمرانوں کو بیدار کرنے کی غیر معمولی سعی کرتے رہے ہیں۔

ایران اسرائیل کشمکش نے پورے مشرقِ وسطیٰ کو عدم استحکام کا شکار بنا دیا ہے جس میں جنگ ہے، تیل کی قیمت کا بڑھنا ہے اور بے گھر ہوتی عوام ہے۔

ایران اسرائیل تنازع جدید دنیا کے خطرناک ترین تنازعات میں شمار ہوتا ہے۔ اس کشمکش میں اسرائیل کی خفیہ کارروائیوں، سائبر حملوں، معاشی دباؤ، پراکسی جنگوں اور فوجی اقدامات کو مختلف حلقے مجرمانہ سازشوں کے طور پر دیکھتے ہیں۔ دوسری جانب اسرائیل ان مجرمانہ کارروائیوں کو اپنی قومی سلامتی کے لیے ضروری قرار دیتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ تنازع سیاسی بالادستی کے مقصد سے ہے اور اس کشمکش کا سب سے زیادہ نقصان عام انسانوں کو اٹھانا پڑتا ہے۔ عراق، افغانستان کے بعد فلسطین، شام، لبنان اور دیگر مشرقِ وسطیٰ کے علاقوں میں بے شمار لوگ خوف، غربت اور بے گھر ہونے کا شکار ہوئے ہیں۔ اگر عالمی برادری نے ان فاسش طاقتوں کے خلاف علم بلند نہ کیا تو اب دیر نہیں کہ ان کا بھی نمبر آجائے اور جو انصاف، توازن اور سنجیدہ سفارت کاری کا راستہ اختیار کر رہے ہیں، وہ بہت جلد ناکام ہو جائیں گے کیونکہ جو کسی کے سامنے جواب دہی کا احساس نہیں رکھتا اس کا انجام ہٹلر کی طرح ہونا ہی چاہیے۔

الحاد کا طوفان اسباب اور علاج

محمد نجم الدین الرحیمی ندوی

قرآن محکم میں کھلے الفاظ میں بتایا گیا ہے کہ اس سے پہلے کی کتب سماوی و مذہبی صحائف میں توحید کی تعلیم اور اس کے دوٹوک پیغامات تھے، دین اسلام کے سوا تمام مذاہب وادیان کے مذہبی صحائف اور آسمانی کتابوں کی الہامی وتاریخی اور استنادی حیثیت اگرچہ نہایت غیر محفوظ اور مخدوش نظر آتی ہے، اس سے قطع نظر پھر بھی ان کے اوراق وصفحات میں توحید کی امانت کہیں نہ کہیں دکھائی دیتی ہے، اگر کسی کو اس حقیقت کے اعتراف میں تامل ہو تو قرآن محکم کی اس شہادت پر ایک نظر ڈال لی جائے:

﴿أَمِ اتَّخَذُوا مِن دُونِهِ آلِهَةً قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ هَذَا ذِكْرُ مَن مَّعِيَ وَذِكْرُ مَن قَبْلِي بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ الْحَقَّ فَهُم مُّعْرِضُونَ﴾(الانبیاء:٢٤)

(کیا اُسے چھوڑ کر انہوں نے دوسرے خدا بنا رکھے ہیں؟ ان سے کہو کہ تم اپنی دلیل لاؤ، یہ کتاب ہے جس میں میرے دور والوں کے لیے نصیحت ہے اور وہ کتابیں بھی موجود ہیں جن میں مجھ سے پہلے والوں کے لیے نصیحت تھی، بات یہ ہے کہ ان میں اکثر لوگ حق کو جانتے نہیں، اسی وجہ سے منھ موڑے ہوئے ہیں۔)

مذاہب وادیان کی تاریخ میں اسلام کا تصور الٰہ واضح اور خالص وآمیزش سے مبرا و پاک اور تمام ترعیوب سے منزہ ہے، ہر طرح کے نظریہ شرک کا خاتمہ اور حلول واتحاد سے بالکلیہ پاک ہے، اس کے بالعکس دیگر ادیان ومذاہب میں خواہ عہد قدیم میں ہو یا جدید میں تصور خدا اور اس کی وحدانیت کی حیثیت ایک معمہ کی ہے جس کی گرہ کشائی میں مصروف شخص خود الجھ کر رہ جاتا ہے، فلسفیانہ موشگافی اور نکتہ آفرینی اور مشکل تعبیر ہو کر ایک معمہ بن کر رہ گیا ہے، جب کہ اسلام نے آسان اور دل نشین وفطری انداز میں نظام توحید کو پیش کیا ہے، قرآن محکم میں ارشاد ہے:

﴿قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ☆ اللَّهُ الصَّمَدُ ☆ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ ☆وَلَمْ يَكُن لَّهُ كُفُواً أَحَدٌ ﴾(الإخلاص:١-٤)

(کہہ دیجیے کہ وہ اللہ ایک ہے، اللہ بے نیاز ہے، نہ اس کی کوئی اولاد ہے اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے اور نہ کوئی اس کا ہمسر ہے۔)

اس مختصر سی سورت میں اسلام کا تصور الٰہ واضح کر دیا گیا ہے کہ تمام اشیاء کی تخلیق اس نے فرمائی اور اس کی تخلیق کسی نے نہیں کی۔ اسی پس منظر میں سورۂ ہود کی آیت کریمہ تلاوت کی جائے، اس سے بات بے غبار ہو جائے گی:

﴿وَلِلّهِ غَيْبُ السَّمَاوَاتِ وَالأَرْضِ وَإِلَيْهِ يُرْجَعُ الأَمْرُ كُلُّهُ فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ﴾

(هود:١٢٣)

(آسمانوں اور زمین کی چھپی بات کا علم اللہ ہی کے پاس ہے اور ہر امر اسی کی طرف لوٹایا جاتا ہے، بس تو اس کی عبادت کر اور اسی پر بھروسہ رکھ اور تم جو کچھ کرتے ہو اس سے اللہ بے خبر نہیں ہے۔)

اللہ تعالیٰ نے اہل شرک وکفر کے تصور آلہہ (معبودان باطل) کا ذکر متعدد مقامات میں کیا ہے اور یہ حقیقت بھی واضح فرمائی کہ نزول قرآن کے زمانہ میں رسول انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کو جس قسم کی قوم سے سابقہ پڑا' اعتقادی لحاظ سے دو گروہ پائے جاتے تھے، ایک گروہ تو ایسا تھا کہ جو وجودِ باری تعالیٰ اور خالق کائنات کو تسلیم کرتا

تھا مگر اس کے ساتھ اس کی فرماں روائی میں غیروں کو شریک وسہیم تصور کرتا تھا۔ دوسرا گروہ بھی تھا جو نری جہالت کی وجہ سے اس عظیم طاقت ہی کا منکر تھا جس نے اس کائنات کو وجود بخشا تھا، دونوں گروہوں کو وحدانیت الٰہ اور وجود باری تعالیٰ پر ٹھوس اور مضبوط دلائل کے ذریعہ پیغام الٰہی پیش کیا گیا اور جاتا رہا اور جن لوگوں نے فکری وعملی طور پر غیروں میں خودساختہ عظمت کی اساس پر صفات الٰہیہ کی حکمرانی وتصور پر انہیں شفیع گردانا اور ان کے سامنے جبہہ سائی کی، فطری وعقلی اور علمی وسائنسی ہر لحاظ سے ان کے دل ودماغ کو متاثر کیا اور ان کے معبودوں کا یہ حال واقعاتی طرز استدلال میں بیان کیا:

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوا لَهُ إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ لَن يَخْلُقُوا ذُبَاباً وَلَوِ اجْتَمَعُوا لَهُ وَإِن يَسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْئاً لَّا يَسْتَنقِذُوهُ مِنْهُ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوبُ ☆ مَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ﴾

(الحج:۷۳-۷۴)

(اے لوگو! ایک مثل کہی جارہی ہے ذرا اس پر کان رکھ کر سنو، اللہ کے سوا، جن کو تم پوجتے ہو، وہ ایک مکھی بھی ہرگز نہیں بنا سکتے اگر چہ سارے کے سارے جمع ہوجائیں اور اگر ان سے مکھی کوئی چیز چھین لے تو وہ اس سے چھڑا نہیں سکتے، بڑا بودا ہے چاہنے والا اور بڑا بودا ہے جن کو چاہتا ہے، اللہ کی قدر نہیں سمجھے جیسی اس کی قدر ہے، لاریب کہ اللہ زور آور ہے اور غالب وزبردست ہے۔)

اسلام کے نظام توحید اور تصور الٰہ میں یہی وہ واضح اور غیر مبہم تصور تھا جس نے تاریخ انسانی میں پہلی بار دل ودماغ کو متاثر کیا اور اس کے مفید اثرات انسانی دنیا پر پڑے۔ مسٹر ایڈورڈ ڈینی سن روز (E. Denison Ross) نے صاف الفاظ میں اظہار واعتراف کرتے ہوئے لکھا ہے:

''محمدؐ کی تعلیمات کا بنیادی اصول توحید تھا، اسی کی تبلیغ انہوں نے عرب معاصرین کے سامنے کی جو ستاروں کو پوجتے تھے، اسی کی تبلیغ ایرانیوں کے سامنے کی جو یزدان واہرمن کو مانتے تھے، اسی کی ترکوں کے سامنے کی جو کسی خاص چیز کے پرستار نہ تھے، عقیدۂ توحید کی سادگی اسلام کی توسیع واشاعت میں غالباً غازیوں کی تلوار سے زیادہ بڑا عامل تھا، یہ ایک تعجب خیز واقعہ ہے کہ ترک جن کی فوجی یلغار ناقابل مزاحمت بن گئی تھی، ان سب کو اسلام کے عقیدہ نے فتح کرلیا اور انہوں نے مسلم حکومتیں قائم کیں۔ تیرہویں صدی کے منگولوں نے جب بغداد کو تاراج کیا تو انہوں نے اسلام کے آثار کو مٹاڈالنے کے لیے وہ سب کچھ کیا جو وہ کرسکتے تھے، اس وقت خلیفہ اسلام کو اگرچہ مصر کی تاریکی میں دھکیل دیا گیا تھا مگر منگولوں کی بنائی ہوئی حکومتیں بہت جلد مسلم ریاستوں میں تبدیلی ہوگئیں۔''

(Introduction to George Sale's translation of the Koran, page: 8)

عربی کہاوت ہے کہ

"إن البعرة تدل علىٰ البعير"

(زمین پر پڑی ہوئی مینگنیاں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ یہاں سے اونٹ گزرا ہے۔)

اور"إن أثر الأقدام يدل علىٰ المسير والروث علىٰ الحمير"

(زمین پر پاؤں کے نشانات سے آدمی کے گزرنے کا پتہ چلتا ہے، لید سے گدھے کا پتہ چلتا ہے۔)

اسی طرح سے وجود باری کی نشانیوں میں ایک اہم نشانی خود انسان کا وجود بھی ہے، مٹی کا یہ ہنستا بولتا پتلا اگر خود اپنی ذات پر غور وفکر سے کام لے اور تخلیق انسان کے ابتدائی سے آخری مرحلوں اور ان کو وسیع پیمانہ پر پھیلا کر سوچا اور دیکھا جائے تو اس میں ایک کائنات نظر آئے گی اور یہ حقیقت ابھر ابھر کر سامنے آئے گی کہ انسان اپنے وجود میں کسی ذات عالی کا سراپا محتاج ہے۔ اللہ تعالیٰ انسانوں سے سوال

کرتا ہے تاکہ ساری حقیقتوں کو سامنے رکھ کر وہ بتائے کہ صانع و خالق اور قادرِ مطلق وہی خدائے وحدہ لاشریک لہ ہے:

﴿أَفَرَأَيْتُم مَّا تُمْنُونَ ۞ أَأَنتُمْ تَخْلُقُونَهُ أَمْ نَحْنُ الْخَالِقُونَ﴾ (الواقعة: ۵۸-۵۹)

(اے انسانو! کیا تم نے اس مادۂ منویہ پر غور نہیں کیا جسے تم رحم میں ٹپکاتے ہو کہ تم اس قطرۂ آب کو انسانی وجود بخشتے ہو یا ہم اس کو وجود عطا کرنے والے ہیں۔)

قرآن محکم میں جمادات، نباتات اور حیوانات کے بارے میں وجود باری تعالیٰ کی بے شمار نشانیوں میں بتایا گیا ہے اور قرآن محکم میں فرمایا گیا ہے:

﴿وَفِي الْأَرْضِ آيَاتٌ لِّلْمُوقِنِينَ ۞ وَفِي أَنفُسِكُمْ أَفَلَا تُبْصِرُونَ﴾ (الذاريات: ۲۰-۲۱)

(اور زمین میں یقین کرنے والوں کے لیے نشانیاں موجود ہیں اور خود تمہارے اندر بھی کیا تم دیکھتے نہیں۔)

اس کے بعد بھی نہ ماننے والوں کو نہایت حکیمانہ انداز میں سمجھایا گیا ہے کہ

﴿يَا أَيُّهَا الْإِنسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيمِ ۞ الَّذِي خَلَقَكَ فَسَوَّاكَ فَعَدَلَكَ ۞ فِي أَيِّ صُورَةٍ مَّا شَاءَ رَكَّبَكَ﴾ (الإنفطار: ۶-۸) (اے انسان! تیرے اس رب کریم سے کس چیز نے دھوکہ میں ڈال دیا ہے جس نے تجھے پیدا کیا، تیرے اعضاء درست کیے اور تیری قوتوں میں اعتدال پیدا کیا اور اپنی مرضی کے مطابق تیرے عناصر کو ترکیب دی۔)

ابھی تک ہم نے افہام و تفہیم کے تئیں چند آیتوں کا انتخاب اس لیے کیا کہ ذرا گہرائی میں اتر کر دیکھا جائے تو نظر آتا ہے کہ خالق اور مخلوق کے مابین ربط علت و معلول کی نوعیت کیا ہے اور وجود باری تعالیٰ پر انسانی عقل و خرد خود رہنمائی کرتی ہے اور فطرت خود بھی غور و فکر کی دعوت دیتی ہے اور رہنمائی بھی اور ساتھ ہی نقش توحید بھی قائم کرتی ہے اور یہ کہ اسلام کا تصور الٰہ واضح اور شفاف ہے۔

......بقیہ: **عدت کے احکام** ......۳-عطر اور کسی طرح کی خوشبو کا استعمال نہ کرے، یہاں تک کہ خوشبودار صابن بھی غسل میں استعمال نہ کرے، البتہ بغیر خوشبو کا شیمپو اور صابن استعمال کرنے کی اجازت ہے۔ (شامی: ۳/۵۳۲)

۴-معتدہ کو نکاح کا پیغام دینا بھی منع ہے، البتہ معتدہ وفات کو اشارہ کنایہ میں پیغام دینے کی اجازت ہے، معتدہ مطلقہ کو اشارہ سے بھی پیغام دینا منع ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا عَرَّضْتُم...﴾ (البقرة: ۲۳۵) (اور اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں جو تم ان عورتوں سے پیغام کے سلسلہ میں اشارہ کنایہ سے کام لو، یا اپنے جی میں اس کو چھپا رکھو۔) (ہندیہ: ۱/۵۳۴)

۵-معتدہ عورت کے لیے گھر سے باہر نکلنا بھی منع ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿لَا تُخْرِجُوهُنَّ مِن بُيُوتِهِنَّ......﴾ (الطلاق: ۱) (نہ تم ان عورتوں کو ان کے گھروں سے نکالو اور نہ وہ خود نکلیں سوائے اس کے کہ وہ کوئی کھلی بے حیائی کر بیٹھیں۔)

اسی لیے فقہاء نے صراحت کی ہے کہ اگر دوران عدت نان نفقہ کا انتظام ہو تو کسی قسم کی معتدہ کے لیے گھر سے نکلنا ممنوع ہے، البتہ اگر نان نفقہ کا انحصار اسی کی کمائی پر ہو مثلاً: وہ سرکاری یا نجی ادارہ میں ملازم ہے اور اتنی لمبی چھٹی نہیں مل سکتی اور خرچ کا دارومدار اسی کی کمائی پر ہو، یا کمائی کا کوئی اور ذریعہ اختیار کیے ہوئے ہو تو فقہاء نے معتدہ وفات کو نکلنے کی اجازت دی ہے، معتدہ طلاق کو اجازت نہیں دی ہے، اس لیے کہ معتدہ وفات کا نفقہ کسی پر نہیں ہوتا، جب کہ معتدہ طلاق کا نفقہ اس کے شوہر کے ذمہ ہوتا ہے، اس پر قیاس کر کے ہم کہہ سکتے ہیں کہ اگر معتدہ طلاق کو بھی دشواری ہو رہی ہو تو وہ بھی نکل سکتی ہے مگر یہ دھیان رہے کہ اس کے لیے صرف دن میں جائے اور رات گھر ہی میں گزارے۔ (ہندیہ: ۱/۵۳۴، شامی: ۳/۵۳۵)

نجاتِ دنیوی واخروی کا راز

محمد امین حسنی ندوی

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنے والا ہر امتی یہ سمجھتا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے نجات دنیوی واخروی صرف اور صرف اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں رکھ دی ہے، اگر ہم صحیح طور پر غور کریں تو ہم کو یہ بات پورے طریقہ سے معلوم ہو جاتی ہے کہ دل کا سکون اور اطمینان اللہ تبارک وتعالیٰ کی بندگی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل کرنے میں ہے، کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہمارے لیے بہترین نمونہ ہے:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾

(الأحزاب: ۲۱)

(تمہارے لیے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے۔)

اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ذکر بھی طمانینت قلب کا ذریعہ ہے:

﴿أَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ﴾(الرعد: ۲۸)

(یاد رکھو! صرف اللہ کا ذکر ہی وہ چیز ہے جس سے دلوں کو اطمینان نصیب ہوتا ہے۔)

لیکن افسوس کی بات ہے کہ آج ہم سکون قلب کا ذریعہ کسی اور چیز کو سمجھنے لگے ہیں، ہم میں سے اکثر نوجوان گانے سننے میں اپنے دل کا سکون دیکھتے ہیں، جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہو، جس میں وقت کی بربادی ہو، ذہنی سکون غارت ہوتا ہو، نمازوں کی حلاوت نہ ملتی ہو، دینی مزاج نہ پیدا ہو، آج ان ہی چیزوں سے دل کو بہلایا جارہا ہے ، ہمارے نوجوان رقص وسرور، گانے سننے، گانے بجانے میں منہمک ہیں اور اپنی زندگی کو اس میں لگائے ہوئے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو علامات قیامت بتائی ہیں اس میں یہ بھی ہے کہ جب گانے سنے جائیں گے تو اللہ کی طرف سے صورتیں مسخ کردی جائیں گی، شکلیں بگاڑ دی جائیں گی اور آج دیکھا جائے تو ایسا ہو رہا ہے کتنے نوجوان لڑکے لڑکیوں کے لباس میں ہیں بلکہ لڑکیوں کی شکل وصورت کو اپنا رہے ہیں، بالوں کا اسٹائل، چہرے کی بناوٹ سب ان ہی کی طرح کرنے کی کوشش کررہے ہیں اور کچھ یہی حال لڑکیوں کا ہے وہ لڑکوں کی طرح بننا چاہ رہی ہیں، فطرت کے خلاف کرنے کی کوشش کی جارہی ہے اور یہ اللہ کی طرف سے عذاب ہے۔

نافرمانی کی سزا کے طور پر یہ عذاب گذشتہ قوموں پر بھی اتارا گیا، بنی اسرائیل کو بندر بنایا گیا، ایک جگہ ارشاد ہے:

﴿فَلَمَّا عَتَوْا عَن مَّا نُهُوا عَنْهُ قُلْنَا لَهُمْ كُونُوا قِرَدَةً خَاسِئِينَ﴾(الأعراف: ۱۶۶)

(ہوا یہ کہ جس کام سے انہیں روکا گیا تھا جب انہوں نے اس کے خلاف سرکشی کی تو ہم نے ان سے کہا: جاؤ، ذلیل بندر بن جاؤ۔)

دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

﴿وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيرَ﴾(المائدة: ٦٠)

(اور ان میں سے لوگوں کو بندر اور سور بنا دیا۔)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت سے قریب جن برے اعمال پر اللہ کی طرف سے سخت ترین پکڑ کا ذکر کیا اور عذاب الٰہی کا ذکر فرمایا ان میں دھنسا دیا جانا، چہروں کا مسخ ہونا اور پتھروں کا برسنا ہے، لیکن یہ کب ہوگا جب ناچ گانا عام ہو جائے گا، ہر جگہ ہر گھر میں آلات موسیقی داخل ہو جائیں گے، رقص وسرود کی محفلیں عام ہو جائیں

گی، بچوں اور بچیوں کو ناچ گانا سکھایا جائے گا اور یہ ایک فن سمجھا جائے گا، گٹار اور آلات موسیقی کے ذریعہ مال کمایا جائے گا اور لوگ اس کو خوب شوق سے سنیں گے، ہر گلی ہر محلّہ میں بلکہ ہر گھر میں شراب پی جائے گی، موجودہ دور میں یہ چیزیں عام ہورہی ہے۔

حدیث میں یہ بات بھی ارشاد فرمادی گئی کہ جب امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ علماء ترک کردیں گے اور گناہ عام ہوجائے گا اور اس پر روک ٹوک نہیں ہوگی تو آسمان سے سزائیں دی جائیں گی اور سزاؤں کا تعین بھی کردیا گیا کہ شکلیں مسخ کردی جائیں گی، زمین میں دھنسادیا جائے گا یا آسمان سے پتھر برسائے جائیں گے، یہ حدیث جہاں قیامت کی نشانیوں کا تذکرہ کررہی ہے وہیں امت مسلمہ کو متنبہ کررہی ہے اور علماء کو ان کا فرض منصبی یاد دلا رہی ہے کہ اگر عذاب ان لوگوں پر آئے گا جو یہ کام کررہے ہیں تو علماء اپنا فرض منصبی ادا نہ کرنے کی صورت میں مجرم ہوں گے:

"یَکُوْنُ فِي آخِرِ الْأُمَّةِ خَسْفٌ وَمَسْخٌ وَقَذْفٌ، قَالَتْ: قُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! أَنُهْلِكُ وَفِيْنَا الصَّالِحُوْنَ؟ قَالَ: نَعَمْ! إِذَا ظَهَرَ الْخُبُثُ." (جامع الترمذی، أبواب الفتن: ٢١٨٥)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اس امت کے آخری عہد میں یہ واقعات ظاہر ہوں گے، زمین میں دھنسادیا جانا، شکلوں کا مسخ ہونا اور آسمان سے پتھروں کی بارش کا ہونا۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! کیا ہم ہلاک کردیے جائیں گے جب کہ ہم میں نیک لوگ بھی موجود ہوں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں! جب فسق وفجور عام ہوجائے گا۔

اسلام دشمنی کا مقابلہ کیسے کریں؟!

حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندویؒ

''مغرب کی اسلام دشمنی کے خاتمہ کے لیے چار طریقے اختیار کیے جاسکتے ہیں:

(۱) ہم حقیقی معنی میں مسلمان ہوں، اپنی زندگی میں اسلامی تعلیمات کو عملی طور پر نافذ کرکے غیروں کے سامنے اسلامی اخلاق کا نمونہ پیش کریں جیسا کہ ماضی میں اسلاف نے کیا کہ بہت سے ممالک صرف مسلم فاتحین کے اخلاق کی وجہ سے فتح ہوگئے۔

(۲) طاقتور اور مؤثر میڈیا کے قیام کو عمل میں لایا جائے اور دنیا کی مختلف زبانوں میں اسلام کو پیش کیا جائے، کیونکہ رائے عامہ کو مخاطب کرنے کا میڈیا بہترین ذریعہ ہے، لہٰذا بین الاقوامی سطح پر میڈیا کے ذریعہ مؤثر انداز میں اسلام کی ترجمانی کی جائے۔

(۳) مختلف عالمی زبانوں پر قدرت رکھنے والے داعی تیار کیے جائیں۔

(۴) دنیا بھر میں قائم اسلامی ادارے منافست اور آپسی ٹکراؤ کے راستے کو چھوڑ کر خدمت دین کے لیے مشترک لائحہ عمل طے کریں، آپس میں اتحاد وتعاون کی روح پیدا کریں اور ایک ہی میدان میں توجہ دینے کے بجائے مختلف میدانوں کو اپنی توجہ کا مرکز بنائیں، زمانہ کے نئے تقاضوں، خطرات اور چیلنجز کا لحاظ کرتے ہوئے حکمت ودانائی پر مبنی حکمت عملی اختیار کریں اور غیر مسلموں کے سامنے اسلام کی صحیح اور حقیقی تصویر پیش کریں۔'' (دعوت اسلامی؛ مسائل، اندیشے اور تقاضے: ۱۳۸)

مردِ مؤمن — دربارِ قیصر میں

محمد مصعب ندوی بارہ بنکوی

روم کے قید خانے میں ایک نو جوان سر جھکائے بیٹھا ہوا ہے، تین دن گزر چکے ہیں، اس کے حلق سے ایک قطرہ پانی تک نہیں اترا۔ شدتِ پیاس سے ہونٹوں پر خشکی جم گئی ہے، بھوک نے پیٹ کو پیٹھ سے ملا دیا ہے، سامنے خنزیر کا گوشت اور شراب رکھی ہوئی ہے، وہ ان حرام چیزوں کی طرف نگاہ اٹھانا بھی گوارا نہیں کرتا۔ ایک سپاہی کھڑا بلند آواز میں کہہ رہا ہے: کچھ کھا لو، کیا یوں ہی دم توڑنے کا ارادہ ہے؟ نو جوان عبداللہ بن حذافہ سہمیؓ اس کی باتوں کی طرف ذرا بھی متوجہ نہیں ہوتے۔

عبداللہ بن حذافہ سہمی وہ صحابی رسول ہیں جو ابتدائے اسلام ہی میں اسلام کے سایہ عاطفت میں آ گئے تھے۔ آپ قاصد رسول ہیں، شہنشاہِ کسریٰ کو سید الانبیاء محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام پہنچا چکے ہیں۔ اب حضرت عمر فاروق کا عہد خلافت ہے، فتوحات کا سلسلہ چہار جانب پھیل رہا ہے، اسلامی فوجیں روم کی سلطنت میں داخل ہو چکی ہیں۔ شہنشاہِ روم قیصر کا فرمان ہے کہ مسلمان فوجی کہیں بھی گرفتار ہوں تو ان کو پابند سلاسل کر کے دربار میں حاضر کیا جائے۔

اللہ کی مرضی مجاہدین اسلام کا ایک گروہ دشمنوں کے ہاتھ آ گیا جن میں عبداللہ بن حذافہ سہمی بھی تھے۔ جب دربارِ قیصر میں مجاہدین کی یہ جماعت لائی گئی تو قیصر روم کی نگاہ عبداللہ بن حذافہ سہمی پر پڑی۔ اس نے آپ کو بغور دیکھا۔ پرسکون، حسین وجمیل چہرہ، ماہ وانجم جیسا۔ چہرے کی سرخی شفق کی تصویر پیش کر رہی تھی۔ میانہ قد وقامت، جذبات میں ایک تلاطم سا، کشادہ پیشانی جس پر ہر محاذ فتح کر لینے کی داستان لکھی ہو۔ چال ڈھال پر خوف وہراس کا کوئی اثر نہیں، بے باک اور صاف ستھرا لہجہ۔ قیصر روم اس مردِ مؤمن کی استقامت دیکھ کر حیران رہ گیا۔ بڑی اپنائیت اور نرمی سے آپ کے سامنے پیشکش رکھتا ہے کہ اگر عیسائیت قبول کر لو تو میں تمہاری اور تمہارے ساتھیوں کی جان بخش دوں گا۔

آپ نے حقارت سے اس کی جانب دیکھ کر کہا: ''موت مجھے اس سے زیادہ عزیز ہے۔''

قیصر روم نے اپنے غصے کو قابو میں کیا، ذرا تحمل کے ساتھ دوسرا وار کیا۔ اسے اندازہ تھا کہ قیمت لگائی جائے تو انسان کیا' دنیا کی ہر چیز خریدی جا سکتی ہے۔ اس نے پھر محبت بھرے لہجے میں کہا: ''دیکھو! اگر تم میرا مذہب اختیار کر لو تو میں تمہیں حکومت واقتدار میں شریک کر لوں گا۔''

حضرت عبداللہ پہلے سے زیادہ جوش و ولولہ کے ساتھ کہتے ہیں: ''یہ حکومت کیا چیز ہے! اگر تم مجھے ہفت اقلیم کی شہنشاہیت بھی عطا کر دو تب بھی میں ایک پل کے لیے دین محمدیؐ سے نہیں پھروں گا۔''

قیصر یہ جواب سن کر تلملا اٹھتا ہے۔ خدائی کا دعویٰ کرنے والا شہنشاہ ایک معمولی عرب کے سامنے بے بس ہوا جا رہا ہے۔ سپاہیوں کو حکم دیتا ہے: ''اس کو قید خانے میں ڈال دو، کھانا پانی بند کر دو، تب عقل ٹھکانے آئے گی۔ کھانے کی جگہ خنزیر کا گوشت اور شراب دو، دیکھتا ہوں کیسے اسلام پر برقرار رہتا ہے۔''

عبداللہ بن حذافہ سہمی تین دن سے قید خانے میں بھوکے اور پیاسے ہیں مگر کسی بھی قیمت پر حرام چیزوں کی طرف ہاتھ تو دور کی بات نگاہ بھی دراز نہیں کرتے۔ سپاہی مایوس ہو کر قیصر کے پاس جاتا ہے اور عرض کرتا ہے: ''حضور! اس کو باہر نکال لیا جائے، نہیں تو ایسے

ہی جان دے دے گا۔"

قیصر کے حکم پر حضرت عبداللہ کو پھر دربار میں حاضر کیا جاتا ہے۔ قیصر پوچھتا ہے: "تم کو کھانے اور پینے سے کس چیز نے روکا؟ تم بھوک سے تڑپ رہے تھے۔"

عبداللہ بن حذافہ سہمی نے پرسکون لہجے میں جواب دیا: "جہاں تک مجبوری کا تعلق ہے تو شراب اور خنزیر کا گوشت میرے لیے حلال ہو چکا تھا لیکن میں نے پسند نہیں کیا کہ اسلام کے معاملے میں آپ کو خوش ہونے یا مذاق اڑانے کا موقع دوں۔"

یہ جواب سن کر قیصر کو سخت مایوسی ہوئی اور اس نے غصے کا اظہار کیا۔ آپ کو ڈرانے کے لیے تیراندازوں کو اشارہ کیا۔ تیراندازوں نے حضرت عبداللہ کے چاروں طرف تیر برسائے اور قیصر یہ کہتا رہا: "اس دردناک موت سے بچنے کا ایک ہی راستہ ہے کہ تم عیسائیت قبول کرلو۔"

آپ ہر بار سختی سے انکار کر دیتے۔

قیصر نے حکم دیا آگ جلائی جائے، پھر تیل سے بھری ہوئی ایک بڑی دیگ اس پر چڑھائی گئی۔ تیل جب کھولنے لگا تو دو مسلم قیدیوں کو لایا گیا اور اس میں ڈال دیا گیا۔ پورا دربار ایک ہولناک چیخ سے لرز اٹھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے گوشت ہڈیوں سے جدا ہو کر ختم ہو گیا، صرف سفید ہڈیاں اوپر تیرتی ہوئی نظر آئیں۔

قیصر کے انداز سے کبریائی جھلک رہی تھی اور وہ کہنے لگا: "اگر تم میری بات نہیں مانتے ہو تو اس سے زیادہ دردناک موت تمہیں دوں گا۔"

زنجیروں میں جکڑے ہوئے حضرت عبداللہ، نڈھال جسم کی پوری طاقت کو یکجا کرتے ہوئے کہتے ہیں: "اے خدا کے دشمن! تم دنیا کی کوئی قیمت دے کر بھی میرا ایمان نہیں خرید سکتے۔"

قیصر حکم دیتا ہے: "کھولتے ہوئے تیل میں عبداللہ کو بھی ڈال دیا جائے۔"

دفعتاً حضرت عبداللہ کی آنکھوں سے کچھ آنسو چھلک پڑے۔ قیصر کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ اس نے سوچا شاید موت سے ڈر گیا، اب میری بات مان لے گا۔ کہا: "برخوردار! عیسائیت قبول کرلو۔"

آپ نے پھر زنجیروں کے بوجھ تلے دبی ہوئی گردن کو ہلاتے ہوئے "نہیں" میں اشارہ کیا۔

قیصر بولا: "پھر یہ آنسو کیوں؟"

فرمایا: "مجھے خیال آیا کہ ایک بار اس دیگ میں جاتے ہی جان چلی جائے گی۔ میں چاہتا ہوں کہ میرے جسم میں جتنے روئیں ہیں، کاش اتنی ہی جانیں ہوتیں اور ہر جان خدا کے راستے میں ایسے ہی قربان کر دیتا۔" اللہ اکبر! کس قدر ایمان کی محبت!

یہ جواب سن کر سارے درباری سکتے میں آ گئے۔ شہنشاہ دنگ رہ گیا، اس کا غصہ جاتا رہا، اس کا جسم ڈھیلا پڑ گیا۔ وہ عبداللہ کے پاس آیا اور بہت نرمی سے کہا: "دیکھو! اگر تم میرے سر کا بوسہ لے لو تو میں تمہیں اور تمہارے تمام مسلم ساتھی قیدیوں کو رہا کر دوں گا۔"

حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی نے اس کی جانب دیکھا اور سوچا کہ کسی کافر کے سر کو چومنا کوئی خلافِ شریعت کام نہیں اور مسلمانوں کی جان نہایت عزیز تھی تو آپ نے اس کے سر کا بوسہ دیا۔ قیصر نے بڑے اعزاز و اکرام کے ساتھ آپ کے تمام ساتھیوں کو آپ کے ساتھ رہا کر دیا۔

جب عبداللہ بن حذافہ سہمی حضرت عمر فاروقؓ کے پاس پہنچے اور آپ کو پوری داستان سنائی تو حضرت عمر نے کہا: "ہر مسلمان پر حق ہے کہ وہ عبداللہ کی پیشانی کو بوسہ دے اور سب سے پہلے یہ حق میں ادا کرتا ہوں۔"

امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اٹھے اور حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی کے سر کو بوسہ دیا۔

بلاشبہ دورِ حاضر میں ایسے ایمان افروز واقعات مسلم نوجوانوں کے لیے اپنے اندر بہت کچھ نصیحت رکھتے ہیں۔

آسان دین، مشکل زندگی

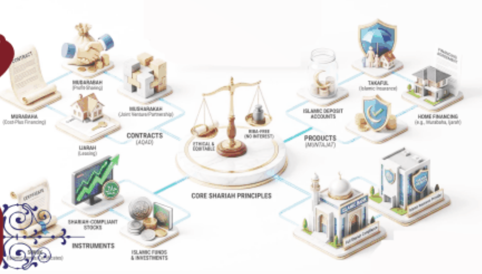

محمد ارمغان بدایونی ندوی

دین اسلام کا امتیاز یہ ہے کہ اس کے احکامات انسانی طبائع پر بالکل بھی بوجھ نہیں ہیں بلکہ وہ عین انسانی فطرت کے مطابق ہیں، اس دین کے فرائض ہوں یا سنن ونوافل، اس کے تمام اعمال میں انسانی ضرورتوں اور اس کے مزاج ومذاق کا بھرپور خیال رکھا گیا ہے، نہ بہت زیادہ جبر سے کام لیا گیا ہے اور نہ ہی بے مہار چھوڑ دیا گیا ہے بلکہ اعتدال وتوازن کی ایک ایسی حسین مثال پیش کی گئی ہے جس کی نظیر دنیا کے کسی مذہب اور نظام میں نہیں پائی جاتی۔

قرآن مجید میں صاف ارشاد ہے:

﴿لا إِكْرَاهَ فِيْ الدِّيْنِ﴾ (دین میں کوئی زور زبردستی نہیں۔)

ایک دوسری جگہ ارشاد ہے:

﴿لا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْساً إِلَّا وُسْعَهَا﴾

(اللہ (تعالیٰ) کسی کو طاقت سے بڑھ کر مکلّف نہیں کرتا۔)

رسول اللہ ﷺ بھی متعدد مواقع پر حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کو کثرت سے اس بات کی تلقین فرماتے تھے کہ

"اَلدِّيْنُ يُسْرٌ" (دین آسان ہے۔)

اس دین پر عمل کرنا انتہائی آسان ہے، نماز جو اس دین کا دوسرا بنیادی رکن ہے، اس کے لیے طہارت اور وضو شرط ہے لیکن اگر پانی کا استعمال صحت کے لیے مضر ہو یا پانی دست یاب نہ ہو تو مٹی سے تیمّم کا حکم ہے اور سفر میں اسی فرض نماز کے متعلق قصر کا حکم ہے تاکہ انسان دشواری میں نہ پڑے، اگر کوئی ایسا معذور ہے جو کھڑے ہو کر نماز پڑھنے سے قاصر ہے تو بیٹھ کر اور لیٹ کر بھی نماز پڑھنے کا حکم ہے، اسی طرح روزہ ایک جسمانی مشقت والی عبادت ہے، اسی لیے سفر میں رخصت دی گئی اور بیماروں کے لیے بھی رخصت عطا کی گئی۔

سیرت میں بعض ایسے واقعات بھی ملتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی انسان ذاتی جذبہ عبادت کی بنا پر غلو سے کام لے تو وہ دین کے مزاج سے ایک ہٹی ہوئی بات ہے، بعض صحابہ نے دین پر سختی سے عمل کرنے کے لیے قسم کھائی مثلاً: کسی نے کہا کہ میں زندگی بھر شادی نہیں کروں گا، کسی نے کہا کہ میں زندگی بھر روزہ رکھوں گا اور کسی نے کہا کہ میں زندگی بھر عبادت میں مشغول رہوں گا، یہ سن کر آپ ﷺ سخت برہم ہوئے اور انھیں اعتدال کی تعلیم دی اور سب سے بڑھ کر اپنا نمونہ زندگی ان کے سامنے رکھا اور اس پر عمل کرنے کی ترغیب دی۔ ام المومنین حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے متعلق آتا ہے کہ انھوں نے اپنے گھر میں ایک رسی باندھ لی تھی اور جب ان کو نوافل پڑھنے کے دوران نیند کا غلبہ ہوتا تو رسی کو اپنی چوٹی سے باندھ لیتی تھیں تاکہ نیند نہ آسکے، آپ ﷺ نے اس عمل کو پسند نہیں فرمایا اور اس کو ہٹوا دیا۔ اسی لیے آپ ﷺ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ اتنا ہی عمل کرو جتنی تمہارے اندر ہمت ہو۔

اس دین کے انسانی فطرت کے عین مطابق ہونے کی کھلی دلیل یہ بھی ہے کہ بعض اوقات انسان شیطان کے بہکاوے میں آجاتا ہے اور گناہوں کا مرتکب ہوجاتا ہے، لیکن اس پر بھی اللہ نے مایوسی سے قطعاً منع فرمایا ہے اور توبہ کا دروازہ موت کے وقت سے پہلے پہلے تک کھلا رکھا ہے، اس دین کے دین رحمت ہونے کی یہ بھی ایک کھلی مثال ہے کہ اگر آدمی خدانخواستہ کسی حرام عمل میں مبتلا ہوجائے تو بھی اس کے لیے معافی کے دروازے کھلے ہیں۔

یہ دین فی نفسہ آسان دین اور باعث رحمت ہے اور اس کی تبلیغ واشاعت میں بھی اسی بات کی تلقین کی گئی ہے کہ یہ پہلو نگاہوں سے

اوجھل نہ ہو، حکم ہے کہ لوگوں کی ایک ایک بات پر مؤاخذہ نہ ہو، آپ ﷺ صحابہ رضی اللہ عنہم کو ہدایت کرتے تھے کہ لوگوں کے لیے آسانیاں پیدا کرنے کی کوشش کرو اور ترش مزاجی سے احتیاط کرو، لہجے میں نرمی پیدا کرنے اور اخلاق وکردار کے توازن کی بے شمار مثالیں سیرت نبویؐ میں ہمیں نظر آتی ہیں۔ یہاں تک کہ ایک اعرابی نے مسجد میں پیشاب کردیا تو آپ ﷺ نے صحابہ کو روکا کہ اس کو سخت سست نہ کہیں اور فرمایا کہ تم لوگ آسانی پیدا کرنے والے بنا کر بھیجے گئے ہو نہ کہ سختی کرنے والے بنا کر۔

اگر دیکھا جائے تو دین کی یہ آسانی ہمیں ہر شعبہ میں نظر آتی ہے اور کہیں بھی تکلف کا ایسا شائبہ نظر نہیں آتا جس سے انسانی سماج میں ایک دوری پیدا ہونے کا اندیشہ ہو، حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے جس سادگی کے ساتھ شادی کی، وہ یقیناً ایک مثال ہے کہ دین کے اندر نکاح جیسا بابرکت عمل کس قدر آسان بنایا گیا ہے۔

بڑے افسوس کی بات ہے کہ آج ہم لوگوں نے دین کو خانوں میں تقسیم کردیا ہے اور اس پر عمل کرنا اتنا ہی مشکل بنالیا ہے جتنا کہ یہ دین آسان ہے، وہ عبادات جو انسان کی روحانی تسکین کا ایک ذریعہ ہیں اور ان میں بھی خاص طور پر نماز جس کو حدیث شریف میں اہل ایمان کی معراج قرار دیا گیا ہے اور اللہ کے نبی ﷺ نے اپنی آنکھوں کی ٹھنڈک فرمایا ہے، افسوس کی بات ہے کہ اس کی روح کو بھی لوگوں نے مسالک کے اختلافات میں کچل کر رکھ دیا ہے، نماز حقیقت میں روح کو بالیدگی بخشنے کا ذریعہ تھی اور مسالک کا جو اختلاف نقل کیا جاتا ہے وہ ترجیح اور عمل کے لیے تھا' نہ کہ تبلیغ اور عین دین سمجھنے کے لیے، حیرت کی بات ہے کہ ایک بڑی تعداد نماز کے اندر خشوع وخضوع اور اس کے بنیادی ارکان کی ادائیگی سے صرفِ نظر محض ظاہری بحثوں میں الجھی ہوئی نظر آتی ہے اور اس کے لیے دست بہ گریباں ہونا بھی اس کے لیے کوئی معیوب اور بڑی بات نہیں ہے۔

اسی طرح نکاح جیسا بابرکت عمل جو ایک مستقل عبادت ہے اور اس کو ایمان کی تکمیل کا ذریعہ قرار دیا گیا ہے، اس میں بھی مسلمانوں نے سب سے زیادہ تجاوز سے کام لیا ہے اور اس سلسلہ میں شریعت کی تمام تعلیمات کو پس پشت رکھ کر اپنی من مانی کو ترجیح دی ہے، شادی بیاہ میں پانی کی طرح پیسہ بہانا اور بے حیائی کے تمام کاموں کو بڑی خوش دلی سے انجام دینا' لگتا ہے کہ مسلمانوں کا شیوہ بن چکا ہے، شادی بیاہ کے موقع پر دین کی تھوڑی بہت رمق بس اسی وقت نظر آتی ہے جب قاضی صاحب نکاح پڑھا رہے ہوں، تاہم اس عمل میں بھی نہ جانے کتنی رسومات وخرافات در آئی ہیں۔ جب کہ نبی ﷺ کا صاف ارشاد ہے کہ سب سے بابرکت نکاح وہ ہے جس میں سب سے کم خرچ ہو۔

اسی طرح دین میں تعلیم کو انسانی ترقی کی بنیاد بتایا گیا تھا اور مخلوق کو خالق سے جوڑنے کا ذریعہ قرار دیا گیا تھا اور یہ کہا گیا تھا کہ انسانیت کی فلاح و بہبود تعلیم کے ذریعہ ممکن ہے لیکن اس تعلیم کے ذریعہ جو ہمیں اپنے پروردگار سے قریب کرتی ہو، مگر آج تعلیم کو بھی ہم نے ایک تجارت بنالیا ہے اور اس کو دین سے ایک خارج چیز سمجھ لیا ہے۔

موجودہ دور میں دین اور ہماری زندگیوں کے درمیان جو خلا اور ایک عدم توازن نظر آتا ہے، اس کی بنیادی وجوہات میں یہ بات شامل ہے کہ آج مسلمانوں کا ایمان اس درجہ کامل ومکمل نہیں جس کے اندر قناعت، صبر، شکر اور توکل جیسی باطنی صفات ہوں جو انسان کو درجہ کمال تک پہنچاتی ہیں اور انسانی سماج میں اسے ایک ممتاز مقام عطا کرتی ہیں، اس وقت مسلمانوں کا سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ وہ ایک بے مقصد زندگی کا شکار ہیں، وقت کا ضیاع ہے اور لہو ولعب میں مست ہیں، دنیا حاصل کرنے کی ریس میں سرپٹ دوڑ رہے ہیں اور زیادہ سے زیادہ سہولت بھری اور وسائل سے لب ریز زندگی گزارنے کے خواہاں ہیں، چاہے اس سب کے لیے انھیں دین کے احکامات کو اپنی مرضی کے مطابق ہی کیوں نہ موڑنا پڑے، یہی وجہ ہے کہ آج ہمیں دین کی جو شکل کتاب وسنت اور سیرتِ نبویؐ میں نظر آتی ہے، وہی نمونہ انسانی سماج میں عنقا نظر آتا ہے۔ ضرورت ہے کہ اصل دین کی طرف لوٹنے کی کوشش کی جائے، دین کے مزاج کو سمجھا جائے اور اس مذہب کے متعلق پوری قوت کے ساتھ یہ ثابت کیا جائے کہ تنہا یہی مذہب انسانیت کے لیے باعث رحمت ونجات ہے۔

ملفوظات داعی اسلام

حضرت مولانا عبید اللہ حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

ضبط وپیش کش:

محمد عظیم الدین ندوی

نظام عالم کا باہمی ربط:

فرمایا: ''انسانی اعضاء میں سے ہر جزء ایک دوسرے سے جڑا ہوا ہے، اگر چہ ان میں سے ایک کا کام دوسرا نہیں کرسکتا مثلاً: ناک کا کام آنکھ نہیں کرسکتی، یا منھ کا کام ناک نہیں کرسکتی۔ اسی طرح سے دنیا کا حال ہے کہ یہاں ہر ایک دوسرے سے انتظامی لحاظ سے جڑا ہوا ہے، اگر چہ ہر ایک کی مستقل ایک الگ حیثیت ہے مثلاً: کپڑے کی تیاری میں اور اس کو ہم تک آنے میں نہ جانے کتنے لوگوں کے ہاتھ لگے اور کتنے لوگوں نے محنت کی۔

روحانی لحاظ سے ہمارا ماحول جتنا اچھا ہوگا اتنا ہی سکون ہوگا اور جتنا برا ہوگا اتنی ہی پریشانی بڑھے گی، اس لیے کہ ہر شخص کی برائی کے اثرات دوسروں تک پہنچتے ہیں۔''

دائیں ہاتھ کی افضلیت:

فرمایا: ''جس طرح دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ سے افضل وبرتر ہے، اسی طرح سورج چاند سے بڑھا ہوا ہے، اسی لیے حضور ﷺ نے کفار مکہ کی بابت اپنے چچا ابوطالب سے جب فیصلہ کن بات کہی تھی تو فرمایا تھا: ''لَوْ وَضَعُوا الشَّمْسَ فِي يَمِينِي وَالْقَمَرَ فِي يَسَارِي عَلىٰ أَنْ أَتْرُكَ هَذَا الْأَمْرَ حَتّٰى يُظْهِرَهُ اللّٰهُ أَوْ أَهْلَكَ فِيهِ مَا تَرَكْتُهُ'' (اگر وہ میرے دائیں ہاتھ میں سورج اور میرے بائیں ہاتھ میں چاند رکھ دیں، اس شرط پر کہ میں اس کام کو چھوڑ دوں یہاں تک کہ اللہ اسے غالب کر دے یا میں اس میں ہلاک ہو جاؤں تو بھی میں اسے ہرگز نہیں چھوڑوں گا۔)''

محبت الٰہی کی شرط:

فرمایا: ''اس وقت تک اللہ سے محبت کامل درجہ نہیں ہوسکتی جب تک کہ اللہ کے دشمنوں سے بغض وعداوت کامل درجہ نہ ہو۔''

سیرت کے ایک اہم واقعہ میں طلبہ مدارس کے لیے رہنمائی:

فرمایا: ''حضور ﷺ کے سامنے ولید نے سرداران قریش کی طرف سے یہ باتیں پیش کیں کہ اگر آپ کو مال وملک یا سرداری وغیرہ مطلوب ہے تو ہم آپ کی یہ خواہش ضرور پوری کریں گے، اس کی تمام معروضات پیش کرنے کے بعد حضور ﷺ نے فرمایا: تم کو جو کچھ کہنا تھا' کیا تم کہہ چکے؟ اس نے کہا: ہاں! اس کے بعد حضور ﷺ نے قرآن کی آیات پیش کیں اور اسلام کا پیغام دیا۔

حضرت مولانا علی میاں ندویؒ سیرت کے اس خاص واقعہ کو بیان کر کے مدارس کے طلبہ سے مخاطب ہو کر فرماتے تھے کہ ہمیں خوب سوچ لینا چاہیے کہ مدارس میں پڑھتے وقت ہماری کیا نیت ہے؟ اگر اس کے ذریعہ ہمارا مقصد مال وسرداری یا عزت وشہرت حاصل کرنا ہے تو یاد رکھیں! ایسی صورت میں ہماری یہ سب محنتیں بے کار اور اکارت ہیں۔''

R.N.I. No.
UPURD/2009/28748

Monthly
Payam-e-Arafat
Raebareli

Volume: 18 ⚜ June 2026 ⚜ Issue: 06

سید احمد شہید اکیڈمی کی پیشکش

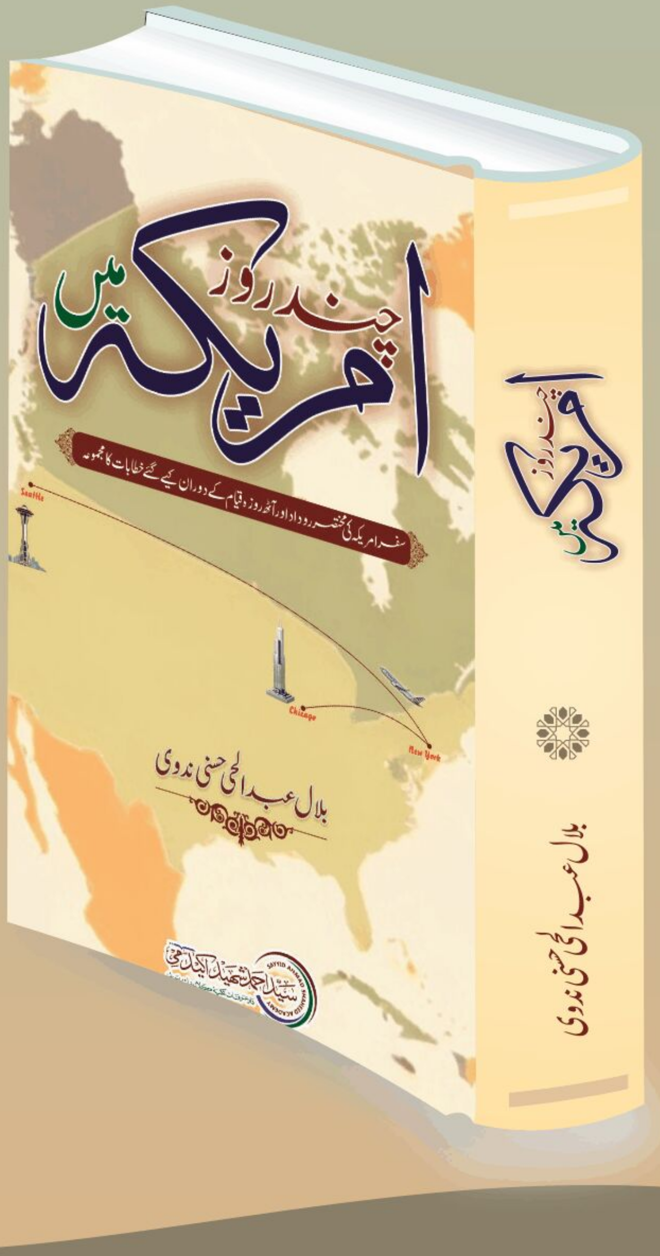

Editor: Bilal Abdul Hai Hasani Nadwi
MARKAZUL IMAM ABIL HASAN AL-NADWI
E-Mail: markazulimam@gmail.com - Dare Arafat, Takiya Kalan, Raebareli (U.P.) 229001 - Mobile: 9792646858
Printed & Published by: Mohammad Hasan Nadwi, On Behalf of Markazul Imam Abil Hasan Al-Nadwi.
Printed at S.A. Offset Printers, masjid ke Peeche, Phatak Abdullah Khan, Sabzi Mandi, Station Road, Raebareli (U.P.)